حصّہ دوم

نوجوان سالار

قتیبہ کا ایلچی

بصرہ کے ایک کونے میں دریا کے کنارے ایک سرسبز نخلستان کے درمیان والیٔ بصرہ کا قلعہ نما مکان تھا۔ اس مکان کے وسیع کمرے میں ایک عمر رسیدہ لیکن قوی ہیکل شخص ٹہل رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے رکتا اور دیواروں پر آویزاں نقشے دیکھنے میں منہمک ہو جاتا۔ اس کے چہرے سے غیر معمولی عزم و استقلال ٹپکتا تھا۔ آنکھوں میں ذکاوت اور ذکاوت سے زیادہ ہیبت تھی۔

یہ حجّاج بن یوسف تھا جس کے آہنی پنجوں سے دشمن اور دوست یکساں طور پر پناہ مانگتے تھے۔ جس کی تلوار عرب و عجم پر صاعقہ بن کر کوندی اور بسا اوقات اپنی حدود سے تجاوز کر کے عالم اسلام کے ان درخشندہ ستاروں کو بھی خاک اور خون میں لٹا گئی، جن کے سینے نورِ ایمان سے منور تھے۔

حجّاج بن یوسف کی طوفانی زندگی کا پہلا دور وہ تھا جب وہ عبدالملک کے عہدِ حکومت میں سرکشوں کو مغلوب کرنے کے لیے اٹھا اور عراق اور عرب پر آندھی اور طوفان بن کر چھا گیا لیکن اس دور میں اس کی تلوار ایک اندھے کی

لاٹھی تھی جو حق اور ناحق میں تمیز نہ کر سکی۔ دوسرا دور جس سے ہماری داستان کا تعلق ہے، وہ تھا جب عبدالملک کی جگہ اس کا بیٹا ولید مسندِ خلافت پر بیٹھ چکا تھا۔ عراق اور عرب کی خانہ جنگیاں ختم ہو چکی تھیں اور مسلمان ایک نئے جذبے کے ماتحت منظم اور مستحکم ہو کر ترکستان اور افریقہ کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ اپنے باپ کی طرح ولید نے بھی حجاج بن یوسف کو اندرونی اور خارجی معاملات میں سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا تھا لیکن ایک مسلمان مؤرخ کی نگاہ میں حجاج نے ولید کی جو خدمات انجام دیں، وہ عبدالملک کی خدمات سے بہت مختلف تھیں۔

عبدالملک کے عہدِ حکومت میں حجاج بن یوسف کی تمام جدوجہد عرب اور عراق تک محدود رہی اور اس کی خون آشام تلوار نے جہاں عبدالملک کی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کیا، وہاں اس کے دامن کو بے شمار بے گناہوں کے خون کے چھینٹوں سے داغدار بھی کیا لیکن ولید کا عہد مسلمانوں کے لیے نسبتاً امن کا زمانہ تھا اور حجاج بن یوسف اپنی زندگی کے باقی چند سال مشرق و مغرب میں مسلمانوں کی فتوحات کی راہیں صاف کرنے میں صرف کر رہا تھا۔

جب ہم حجّاج بن یوسف کی کتابِ زندگی کے آخری اوراق پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ قدرت سندھ، ترکستان اور سپین میں مُسلمانوں کی سطوت کے جھنڈے لہرانے کے لیے اس شخص کو منتخب کرتی ہے جو آج سے چند سال قبل مکّہ کا محاصرہ کر رہا تھا۔ وہ آنکھیں جنھوں نے عبداللّٰہ بن زبیرؓ کو اپنے سامنے قتل ہوتے دیکھ کر ترس نہ کھایا، سندھ میں ایک مسلمان لڑکی کی مصیبت کا حال سُن کر پُرنم ہو جاتی ہیں۔

تاریخ ہمارے سامنے ایک اور اہم سوال پیش کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عرب اور عراق کے مسلمان حجاج بن یوسف کے عہد کے آخری ایّام

میں بھی اس سے نالاں تھے اور ولید کو بھی اچھّی نظروں سے نہ دیکھتے تھے، پھر کیا وجہ تھی کہ جب سندھ اور ترکستان کی طرف پیش قدمی شروع ہوئی تو ہر محاذ پر شامی مسلمانوں کے مقابلے میں عربوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔

اس کا جواب فقط یہ ہے کہ قیادت کی خامیوں کے باوجُود جمہُور مسلمانوں کا انفرادی کردار اُسی طرح بلند تھا۔ حجاج بن یوسف سے نفرت ان کی قومی حمیت کو کچل نہ سکی ــــ انھوں نے جب یہ سُنا کہ ان کے بھائی افریقہ اور ترکستان کی غیر اسلامی طاقتوں سے نبرد آزما ہیں تو وہ پرانی رنجشیں بھول کر ان کے ساتھ جا شامل ہوئے۔

اس لیے ولید کے عہد کی شاندار فتوحات کا سہرا حجاج بن یوسف اور لید کے سر نہیں بلکہ ان عوام کے سر ہے جن کے ایثار اور خلوص میں ہر قوم کی ترقی اور عروج کا راز پنہاں ہے ؎

(۲)

حجاج بن یوسف دیر تک دیواروں پر لٹکے ہوئے نقشے دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے ایک نقشہ اتارا اور اپنے سامنے رکھ کر ایرانی قالین پر بیٹھ گیا۔ دیر تک سوچنے کے بعد اس نے قلم اٹھا کر نقشے پر چند نشانات لگائے اور اسے لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

ایک سپاہی نے ڈرتے ڈرتے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ ”ترکستان سے ایک ایلچی آیا ہے۔“

حجاج بن یوسف نے کہا۔ ”میں صبح سے انتظار کر رہا ہوں۔ اسے یہاں لے آؤ!“

سپاہی چلا گیا اور حجاج بن یوسف دوبارہ نقشہ کھول کر دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک زرہ پوش کمرے میں داخل ہوا۔ وہ قد و قامت کے لحاظ سے ایک نوجوان اور چہرے مہرے سے پندرہ سولہ سال کا ایک لڑکا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سر پر تانبے کا ایک خود چمک رہا تھا۔ تیکھے نقوش، چمکتی ہوئی آنکھیں پتلے اور بھینچے ہوئے ہونٹ، ایک غیر معمولی عزم و استقلال کے آئینہ دار تھے۔ اس کے قد و قامت میں تناسب اور چہرے میں کچھ ایسی جاذبیت تھی کہ حجاج بن یوسف حیرت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کرخت آواز میں پوچھا۔ ”تم کون ہو؟“

لڑکے نے جواب دیا۔ ”میں نے ہی اطلاع بھجوائی تھی۔ میں ترکستان سے آیا ہوں۔“

”خوب! ترکستان سے تم آئے ہو۔ میں قتیبہ کی زندہ دلی کی داد دیتا ہوں میں نے قتیبہ کو لکھا تھا کہ وہ خود آئے یا کسی تجربہ کار جرنیل کو میرے پاس بھیجے اور اُس نے ایک آٹھ سال کا بچّہ میرے پاس بھیج دیا ہے۔“

لڑکے نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”میری عمر سولہ سال اور آٹھ مہینے ہے!“

حجاج بن یوسف نے گرج کر کہا۔ ”لیکن تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ قتیبہ کو کیا ہو گیا ہے؟“

لڑکے نے جواب دیے بغیر آگے بڑھ کر ایک خط پیش کیا۔ حجاج بن یوسف نے جلدی سے خط کھول کر پڑھا اور قدرے مطمئن ہو کر پوچھا۔ ”وہ خود سیدھا میرے پاس کیوں نہیں آیا۔ تمھیں یہ خط دے کر کیوں بھیجا؟“

لڑکے نے کہا۔ ”آپ کس کے متعلق پوچھ رہے ہیں؟“

حجاج بن یوسف کی قوتِ برداشت جواب دے رہی تھی۔ اس نے چلّا کر کہا۔ ”وہ بے وقوف جس کے متعلق قتیبہ نے لکھا ہے کہ میں اپنا بہترین سالار بھیج رہا ہوں۔“

لڑکے نے پھر اطمینان سے جواب دیا۔ ”قتیبہ کے مکتوب میں جس کا ذکر ہے وہ تو میں ہی ہوں۔ اگر آپ کسی اور بے وقوف سے ملنا چاہتے ہیں تو مجھے اجازت دیجیے۔“

”تم؟ اور قتیبہ کے بہترین سالار! خدا ترکستان میں لڑنے والے بدنصیب مسلمانوں کو دشمنوں سے بچائے۔ قتیبہ کے ساتھ تمھارا کیا رشتہ ہے؟“

”ہم دونوں مسلمان ہیں!“

”فوج میں تمھارا عہدہ کیا ہے؟“

”میں ہراول کا سالار ہوں۔“

”ہراول کے سالار! تم؟ اور بلخ سے کترا کر بخارا اور سمرقند کی طرف رُخ کرنے کے ارادے میں بھی غالباً کسی تمھارے جیسے ہونہار مجاہد کے مشورے کا دخل ہے۔“

”ہاں یہ میرا مشورہ ہے اور میرے یہاں آنے کی وجہ بھی یہی ہے۔ آپ اگر تھوڑی دیر ضبط سے کام لیں تو میں تمام صورت حال آپ کو سمجھا سکتا ہوں۔“

حجاج بن یوسف کی تلخی اب پریشانی میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اس نے کہا ”اگر آج تم مجھے کوئی بات سمجھا سکے تو میں یہ کہوں گا کہ عرب کی ماؤں کے دودھ کی تاثیر زائل نہیں ہوئی۔ بیٹھ جاؤ! میں صبح سے نقشہ دیکھ رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ جو فوج ہرات جیسے معمولی شہر کو فتح نہیں کر سکتی، وہ بخارا جیسے مضبوط اور مستحکم شہر پر فتح کے جھنڈے لہرانے کے متعلق اس قدر پر اُمید کیوں ہے۔ ہاں!

پہلے یہ بتاؤ تمھیں نقشہ پڑھنا آتا ہے ؟"

لڑکے نے کوئی جواب دیے بغیر حجاج بن یوسف کے سامنے بیٹھ کر نقشہ کھولا اور مختلف مقامات پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بلخ ہے اور یہ بخارا۔ غالباً آپ بخارا کے قلعے کی مضبوطی کے متعلق بہت کچھ سُن چکے ہوں گے لیکن بلخ کا قلعہ اگر اس قدر مضبوط نہ بھی ہو، تو بھی یہ اپنے جغرافیائی محل وقوع کے باعث کہیں زیادہ محفوظ ہے۔ بخارا کے چاروں طرف کھلے میدان ہیں اور ہم آسانی سے اس کا محاصرہ کر کے شہر کے باشندوں کو ترکستان کے باقی شہروں کی افواج کی مدد سے محروم کر سکتے ہیں۔ رہا قلعہ، تو اس کے متعلق میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ منجنیق کے سامنے پتھر کی دیواریں نہیں ٹھہرتیں اور یہ بھی کئی بار دیکھا جا چکا ہے کہ قلعہ بند افواج زیادہ دیر فقط اس صورت میں مقابلہ کرتی ہیں جب انھیں کسی مدد کی امید ہو۔ ورنہ وہ مایوس ہو کر دروازے کھول دیتی ہے۔ اس کے برعکس بلخ میں ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ شہر پر حملہ کرنے کے لیے ہمیں جس قدر افواج کی ضرورت ہوگی۔ اس سے کہیں زیادہ سپاہی پہاڑی علاقے میں رسد و کمک کے راستے محفوظ رکھنے کے لیے درکار ہوں گے اور اس کے علاوہ شہر کا محاصرہ کرنے کے لیے ہمیں اردگرد کی تمام پہاڑیوں پر قبضہ کرنا ہوگا ان جنگوں میں پہاڑی قبائل کے پتھر ہمارے تیروں سے کہیں زیادہ خطرناک ہوں گے۔ بلخ کے جنوب اور مشرق کے پہاڑ کافی اونچے ہیں۔ اگر جنوب مشرقی ترکستان کی تمام ریاستوں نے بلخ کو مدد دینے کی کوشش کی تو ایک بہت بڑی فوج ان اونچے پہاڑوں کی آڑ لے کر ہماری طرف سے کسی مزاحمت کا مقابلہ کیے بغیر بلخ کے قریب پہنچ کر مشرق جنوب اور مغرب سے ہمارے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے اور اگر شمال سے ان کی مدد کے لیے بخارا اور سمرقند کی

افواج بھی آجائیں تو مرو سے ہماری رسد و کمک کا راستہ بھی منقطع ہو جائے گا اور ہمیں چاروں اطراف سے بیرونی حملہ آوروں نے محصور کر رکھا ہوگا۔ تاہم گرمیوں میں ہم ڈٹ کر ان کا مقابلہ کر سکیں گے لیکن یہ محاصرہ یقیناً طول کھینچے گا اور سردیوں میں پہاڑی لوگ ہمارے لیے بہت خطرناک ثابت ہوں گے اور پسپائی کی صورت میں ہم میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جو واپس مرو پہنچ سکیں"۔

حجاج بن یوسف اب نقشے سے زیادہ اس کمسن اور نوجوان سالار کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "عربوں کی فوجی اصلاحات میں ابھی تک "پسپائی" کے لفظ کو کوئی جگہ نہیں ملی"۔

لڑکے نے جواب دیا۔ "مجھے عربوں کے عزم و استقلال پر شبہ نہیں لیکن میں فوجی زاویۂ نگاہ سے اس حملے کو خود کشی کے مترادف سمجھتا ہوں"۔

حجاج بن یوسف نے کہا۔ "تو تمھارا کیا خیال ہے کہ مشرق کی طرف پیشقدمی کا ارادہ ترک کر دیا جائے!"

"نہیں! ترکستان پر تسلّط رکھنے کے لیے مشرق میں ہماری آخری چوکی بلخ نہیں ہوگی بلکہ ہمیں کاشغر اور چترال کے درمیان تمام پہاڑی علاقے پر قبضہ کرنا پڑے گا لیکن میں اس سے پہلے بخارا کو فتح کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ اس میں ہمیں دو فائدے ہوں گے۔ ایک یہ کہ یہ ترکستان کا اہم ترین شہر ہے اور اہلِ ترکستان پر اس کی فتح کا وہی اثر ہوگا جو مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں اور دمشق کے بعد رومیوں پر ہوا تھا۔ دوسرا یہ کہ بخارا کا محاصرہ کرتے وقت ہمیں باہر سے ان خطرات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جو میں بلخ کے متعلق بیان کر چکا ہوں۔ بخارا کو فتح کرنے کے بعد ہم مرو کی بجائے اُسے اپنی افواج کا مستقر بنا سکتے ہیں۔ وہاں سے سمرقند اور سمرقند سے قوقند اور

فرغانہ کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں۔ ان فتوحات کے بعد مجھے امید نہیں کہ ترکستان کی قوتِ مدافعت باقی رہے، اس کے بعد میری تجویز یہ ہے کہ بخارا اور سمرقند سے ہماری افواج جنوبی ترکستان کی طرف پیش قدمی کریں اور قوقند کی افواج کاشغر کا رُخ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ جتنی دیر میں قوقند کی افواج دشوار گزار پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے کاشغر پہنچیں گی۔ اس سے پہلے جنوب میں بلخ اور اس کے آس پاس کے شہر فتح ہو چکے ہوں گے۔"

حجاج بن یوسف حیرت و استعجاب کے عالم میں اس نوعُمر سپاہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے نقشہ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا۔ "تم کس قبیلے سے ہو؟"

لڑکے نے جواب دیا۔ "میں ثقفی ہوں۔"

"ثقفی! ـــــ تمھارا نام کیا ہے؟"

"محمدؒ بن قاسم۔"

حجاج بن یوسف نے چونک کر محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "قاسم کے بیٹے سے مجھے یہی توقع تھی ـــــ مجھے پہچانتے ہو؟"

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "آپ بصرہ کے حاکم ہیں۔"

حجاج بن یوسف نے مایوس ہو کر کہا۔ "بس میرے متعلق یہی جانتے ہو تم ـــــ؟"

"میں اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔ اس سے پہلے آپ خلیفہ عبدالملک کے دست راست تھے اور اب خلیفہ ولید کے دستِ راست ہیں۔"

"تمھیں تمھاری ماں نے یہ نہیں بتایا کہ قاسم میرا بھائی تھا اور تم میرے

بھتیجے ہو؟"

"انھوں نے مجھے بتایا تھا۔"

"کب؟"

"جب آپ عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کر کے مدینہ واپس آئے تھے۔"

کم سن بھتیجے کے مُنہ سے یہ الفاظ سُن کر حجاج بن یوسف کی پیشانی کی رگیں تھوڑی دیر کے لیے پھُول گئیں۔ وہ غضب ناک ہو کر محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھنے لگا لیکن اس کی نگاہوں میں خوف و ہراس کی بجائے غایت درجے کا سکون دیکھ کر اس کا غصّہ آہستہ آہستہ ندامت میں تبدیل ہونے لگا۔ محمدؒ بن قاسم کی بیباک نگاہیں اس سے پوچھ رہی تھیں کہ "میں نے جو کچھ کہا ہے۔ کیا وہ غلط ہے۔ کیا تم عبداللہ بن زبیرؓ کے قاتل نہیں ہو؟"

حجاج بن یوسف اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتے ہوئے اُٹھا اور دریا کی طرف کھلنے والے دریچے کے پاس کھڑا ہو کر جھانکنے لگا۔ "عبداللہ بن زبیرؓ کا قاتل ـــــ عبداللہ بن زبیرؓ کا قاتل!" اس نے چند بار اپنے دل میں یہ الفاظ دہرائے۔ تصوّر کی نگاہیں ماضی کا نقاب اُلٹنے لگیں۔ وہ مکّہ کے اس عمر رسیدہ مجاہد کو دیکھ رہا تھا جس کے ہونٹوں پر قتل ہوتے وقت بھی ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اسے پھر ایک بار مکّہ کی گلیوں میں بیواؤں اور یتیموں کی چیخیں سُنائی دینے لگیں۔ اس نے جھُرجھُری لیتے ہوئے مُڑ کر محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھا، وہ اس کی توقع کے خلاف اس کی طرف دیکھنے کی بجائے نقشہ دیکھنے میں منہمک تھا۔ عہدِ ماضی کی چند اور تصویریں اس کے سامنے آگئیں۔ وہ پھر ایک بار مدینہ کے ایک چھوٹے سے مکان میں اپنے نوجوان بھائی کو بسترِ مرگ پر دیکھ رہا تھا۔ وہ بھائی جس نے مکّہ میں اس کی کارگزاری کا حال سُننے

کے بعد اُسے دیکھ کر غصّے اور جوش میں آنکھیں بند کر لی تھیں۔ قاسم کے یہ الفاظ پھر ایک بار اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ ”حجاج جاؤ! میں مرتے وقت عبداللہ بن زبیر کے قاتل کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔ تمھارے دامن پر جس خون کے چھینٹے ہیں، اسے میرے آنسو نہیں دھو سکتے۔“ پھر وہ اپنے بھائی کے جنازے کے ساتھ ایک کم سن بچے کو دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کا بھتیجا تھا، جسے اس نے اٹھا کر گلے لگانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ تڑپ کر ایک طرف کھڑا ہو کر چلّایا تھا۔ نہیں! نہیں!! مجھے ہاتھ نہ لگاؤ! ابّا کو تم سے نفرت تھی۔“

حجاج نے ایک انتہائی تکلیف دہ احساس کے تحت محمد بن قاسم کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”محمّد! اِدھر آؤ۔“

محمدؒ بن قاسم نقشہ لپیٹ کر ایک طرف رکھتے ہوئے اُٹھا اور حجاج بن یوسف کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی اطمینان کی جھلک حجاج بن یوسف کے لیے صبر آزما تھی لیکن اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”تو میں تمھاری نظروں میں عبداللہ بن زبیرؓ کے قاتل کے سوا کچھ نہیں؟“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”یہ خلقِ خدا کا فتویٰ ہے اور میں آپ کو دھوکے میں رکھنے کے لیے قاتل کی جگہ کوئی اور لفظ تلاش نہیں کر سکتا۔“

حجاج بن یوسف نے کہا۔ ”تمھاری رگوں میں قاسم کا خون ہے۔ میں تمھاری ہر بات برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں، اگرچہ برداشت کرنا میری عادت نہیں۔“

میں آپ کو اپنی عادت بدلنے پر مجبور کرنے کے لیے نہیں آیا قتیبہ بن مسلم باہلی نے جو فرض میرے سپرد کیا تھا، وہ میں پورا کر چکا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔ اگر آپ کو قتیبہ کے لیے کوئی پیغام بھیجنا ہو تو میں کل حاضر ہو جاؤں گا۔“

ایک لمحہ کے تذبذب کے بعد حجاج بن یوسف نے کہا ——— ”تم کہاں جانا چاہتے ہو؟“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”شہر میں والدہ کے پاس۔ میں سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں۔ ابھی تک گھر نہیں گیا۔“

”تمھاری والدہ بصرہ میں ہیں؟ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا۔ وہ یہاں کب آئیں؟“

”انھیں مدینہ سے یہاں آئے ہوئے تین چار مہینے ہوئے ہیں۔ مجھے مرو میں ان کا خط ملا تھا۔“

”وہ کس کے پاس ٹھہری ہیں۔ وہ یہاں کیوں نہ آئیں؟“

”وہ ماموں کے مکان میں ٹھہری ہیں اور یہاں نہ آنے کی وجہ آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔“

”اور تم ترکستان جانے سے پہلے کہاں تھے؟“

”میں دس برس کی عمر تک ماں کے ساتھ مدینہ میں تھا اور اس کے بعد ماموں کے پاس بصرہ چلا آیا۔“

”اور مجھ سے اتنی نفرت تھی کہ اپنی صورت تک نہ دکھائی؟“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”سچ پوچھیے تو میں مکتب اور اس کے بعد سپاہیانہ زندگی میں اس قدر مصروف رہا ہوں کہ اپنے دل میں کسی کی محبّت یا نفرت کے جذبات کو جگہ نہیں دے سکا۔“

حجاج بن یوسف نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”مکتب میں شاید میں نے تمھیں دیکھا تھا لیکن پہچان نہ سکا۔ تم بہت جلد جوان ہو گئے ہو۔ اب بتاؤ، اپنے چچا سے نہیں ملو گے؟“

محمدؒ بن قاسم مذبذب سا ہو کر حجاج بن یوسف کی طرف دیکھنے لگا۔ حجاج بن

یوسف نے اُس کا بازُو پکڑ لیا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ باغ کے دوسرے کونے میں رہائشی مکان کے دروازے پر پہنچ کر محمدؒ بن قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مجھے چھوڑ دیجیے! میں آپ کے ساتھ ہوں۔“

(۳)

حجاج بن یوسف کی آواز سن کر اس کی بیوی ایک کمرے سے باہر نکلی اور محمدؒ بن قاسم کو دیکھتے ہی چلاّئی۔ ”محمد! تم کب آئے ؟“

حجاج بن یوسف نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”تم نے اسے کیسے پہچان لیا ؟“

وہ خوشی کے آنسوُ پونچھتے ہوئے بولی۔ ”میں اسے کیونکر بھول سکتی تھی؟“

حجاج بن یوسف نے پھر سوال کیا۔ ”تم نے اسے کب دیکھا تھا ؟“

جب میں اور زبیدہ اس کے ماموں کے ساتھ حج پر گئی تھیں۔ ہم واپسی پر مدینے میں ان کے ہاں ٹھہرے تھے۔ محمد بھی ترکستان سے رُخصت پر آیا ہوا تھا۔“

” اور مجُھ سے ذکر تک نہ کیا ؟“

”مجھے اس کی والدہ نے تاکید کی تھی اور مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ آپ کہیں بُرا نہ مانیں۔“

”تو انھوں نے ابھی تک میری خطا معاف نہیں کی۔“

”وہ آپ سے ناراض نہیں لیکن قاسم کی موت کا ان کے دل پر گہرا اثر ہے۔“

حجاج بن یوسف نے کچھ سوچ کر محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”محمدؒ! چلو، میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔“

حجاج کی بیوی نے کہا۔ ”نہیں! نہیں!! آپ ابھی وہاں نہ جائیں۔“

”لیکن کیوں ؟“

”وہ بیمار ہیں۔“

”تو اس صورت میں مجھے ضرور جانا چاہیے۔“

محمدؒ بن قاسم نے بے چین سا ہو کر کہا۔ ”امیّ جان بیمار ہیں ؟ مجھے اجازت دیجیے!“

محمد بن قاسم بھاگ کر مکان سے باہر نکل گیا۔ حجاج بن یوسف اس کا ساتھ دینے کے لیے مُڑا لیکن اس کی بیوی نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا۔ ”نہیں! نہیں!! آپ نہ جائیں۔“

”میں ضرور جاؤں گا۔ تمھیں یہی ڈر ہے نا کہ وہ مجھے بُرا بھلا کہیں گی اور میں طیش میں آجاؤں گا۔“

”نہیں ان کا حوصلہ اس قدر پست نہیں۔“

”تو پھر مجھے اُن کی تیمارداری سے کیوں منع کرتی ہو اور یہ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہیں ؟“

”مجھے ڈر ہے کہ آپ خفا ہو جائیں گے۔ میں آپ سے ایک بات چھُپا رہی ہوں۔“

”وہ کیا ؟“

”جب سے وہ یہاں آئی ہیں۔ میں ہر تیسرے چوتھے دن ان کے گھر جایا کرتی ہوں۔ کل میں نے خادمہ کو بھیجا اور اس نے بتایا کہ ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میں ابھی وہاں سے ہو کر آئی ہوں۔ اگر آپ کا ڈر نہ ہوتا تو میں کچھ دیر اور وہاں ٹھہرتی۔ آج زبیدہ میرے ساتھ تھی اور انکی حالت دیکھ کر میں۔۔“

حجاج بن یوسف نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ”تم ڈرتی کیوں ہو ؟ صاف صاف کہو، اگر تم زبیدہ کو وہاں چھوڑ آئی ہو تو بُرا نہیں کیا۔“

"وہ ابھی آجائے گی۔ میں نے خادمہ کو بھیج دیا ہے۔"

"لیکن تم نے یہ سب کچھ مجھ سے کیوں چھپایا۔ کیا تمھارا یہ خیال تھا، کہ مجھ میں انسانیت کی کوئی رمق باقی نہیں رہی؟"

"مجھے معاف کیجیے!"

"اچھّا! اب تم بھی میرے ساتھ چلو!"

(۴)

زبیدہ محمدؒ بن قاسم کی ماں کے سرہانے بیٹھی اس کا سر دبا رہی تھی ایک شامی لونڈی ان کے پاس کھڑی تھی۔ محمدؒ بن قاسم کی والدہ نے کراہتے ہوئے زبیدہ کا ہاتھ اپنے نحیف ہاتھ میں پکڑ لیا اور اُسے اپنی آنکھوں پر رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! تمھارے ہاتھوں سے میری جلتی ہوئی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمھارے باپ کو پتہ لگ گیا تو وہ بہت خفا ہوگا اور پھر شاید تم کبھی بھی یہاں نہ آسکو۔ بیٹی جاؤ!"

زبیدہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا جی نہیں چاہتا کہ آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر جاؤں۔"

صحن میں کسی کی آہٹ کی کہ زبیدہ نے اٹھ کر باہر جھانکا۔ محمدؒ بن قاسم اپنے گھوڑے کی لگام حبشی غلام کے ہاتھ میں تھما کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ دروازے پر زبیدہ کو دیکھ کر جھجکا اور پہچان کر بولا۔ "تم یہاں؟ امیؔ کیسی ہیں؟"

زبیدہ جواب دینے کی بجائے اس کی سپاہیانہ ہیبت سے مرعوب سی ہو کر ایک طرف ہٹ گئی اور محمدؒ بن قاسم اندر داخل ہوا۔

بیٹے پر نگاہ پڑتے ہی ماں کے زرد چہرے پر رونق آگئی۔ اس نے اُٹھ کر

بیٹھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! تم آگئے؟"

محمدؒ بن قاسم نے اس کے قریب بیٹھ کر سر سے خود اتارتے ہوئے پوچھا۔ "امیؔ! آپ کب سے علیل ہیں؟"

"بیٹا! بصرہ پہنچتے ہی میری صحت خراب ہوگئی تھی۔"

"لیکن مجھے کیوں نہ لکھا؟"

"بیٹا! تم گھر سے کوسوں دور تھے اور میں تمھیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی اور یہ خود تمھارے سر پر مجھے بہت اچھّا معلوم ہوتا تھا۔ اسے پھر پہن کر دکھاؤ میں اپنے نوجوان مجاہد کو سپاہیانہ لباس میں اچھی طرح دیکھنا چاہتی ہوں۔"

محمدؒ بن قاسم نے مسکراتے ہوئے خود اپنے سر پر رکھ لیا۔ ماں کچھ دیر ٹکٹکی باندھ کر اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کے منہ سے بے اختیار دعا نکلی۔ "میرے اللہ! یہ سر ہمیشہ اونچا رہے!"

محمدؒ بن قاسم سے نظر ہٹا کر اس نے زبیدہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بیٹی! تم کیوں کھڑی ہو، بیٹھ جاؤ!"

زبیدہ جو ابھی تک دروازے کے قریب تھی، جھجکتی اور شرماتی ہوئی آگے بڑھی اور بستر کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

ماں نے محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھا۔ "محمدؔ! تم نے اسے نہیں پہچانا؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا لیکن زبیدہ تم کیسے آئیں؟ چچا کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ امیؔ جان یہاں ہیں؟"

ماں نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "تم اپنے چچا سے مل کر آئے ہو؟"

"ہاں امیؔ! قتیبہ کا ضروری پیغام تھا۔ اس لیے میں سیدھا اُن کے پاس پہنچا اور وہ مجھے پکڑ کر گھر لے گئے۔ وہ خود بھی آپ کے پاس آنا چاہتے تھے لیکن

میں آپ کی علالت کا حال سن کر بھاگ آیا اور انھیں ساتھ نہ لا سکا۔"

ماں نے مغموم صورت بنا کر کہا۔ "خدا کرے یہاں آنے میں اس کی نیت نیک ہو۔"

زبیدہ کا سرخ و سپید چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر کہا۔ "چچی جان! میں جاتی ہوں۔" شامی کنیز بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

لیکن اتنے میں باہر کسی کے پاؤں کی چاپ سُنائی دی اور شامی کنیز نے آگے بڑھ کر صحن کی طرف جھانکا اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

محمد بن قاسم پریشان ہو کر اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ زبیدہ کی ماں اندر داخل ہوئی اور حجاج بن یوسف نے دروازے پر رُک کر محمد بن قاسم سے کہا۔ "محمدؒ! اپنی ماں سے پوچھو۔ مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟"

محمدؒ بن قاسم نے مُڑ کر ماں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "کیوں امّی! چچا اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں؟"

ماں نے سر اور چہرہ ڈھانپتے ہوئے جواب دیا۔ "گھر میں آنے والے مہمان کے لیے دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں بُلا لو۔"

حجاج بن یوسف اندر داخل ہوا۔ زبیدہ کے چہرے پر کئی رنگ آ چکے تھے اس کی ماں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی ڈرتی کیوں ہو؟ تمھارے ابّا خود تمھاری چچی کی مزاج پرسی کے لیے آئے ہیں۔"

حجاج بن یوسف کو وہاں بیٹھے چند ساعتیں نہ گزری تھیں کہ گلی میں لوگوں کا شور سُن کر محمدؒ بن قاسم باہر نکلا اور تھوڑی دیر بعد مسکراتا ہوا واپس آ کر کہنے لگا۔ "آپ کو دیکھ کر محلے کے تمام لوگ ہمارے دروازے پر جمع ہو گئے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ہمیں قتل کرنے کے لیے آئے ہیں۔"

حجاج بن یوسف کے چہرے پر ایک دردناک مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے سر جھکا لیا۔

(۵)

تیسرے دن محمدؒ بن قاسم پھر حجاج بن یوسف کے پاس پہنچا اور ترکستان جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حجاج بن یوسف نے پوچھا۔ "تمھاری ماں کی طبیعت اب کیسی ہے؟"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "ان کی حالت اب پہلے سے کچھ اچھی ہے اور انھوں نے مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں آج ہی روانہ ہو جاؤں۔"

حجاج بن یوسف نے جواب دیا۔ "میں نے آج صبح قتیبہ کے پاس اپنا قاصد روانہ کر دیا ہے اور اسے لکھ بھیجا ہے کہ مجھے تمھاری تجاویز سے اتفاق ہے۔ اب تم کچھ عرصہ یہیں رہو گے۔"

"لیکن میرا وہاں جانا ضروری ہے۔ قتیبہ نے مجھے جلد واپس آنے کے لیے بہت تاکید کی تھی۔"

حجاج نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے اس جگہ تمھاری زیادہ ضرورت ہے۔ مجھ پر ایک بہت بڑا بوجھ ہے اور تم میرا ہاتھ بٹا سکتے ہو۔ میں یہاں سے اکیلا ہر محاذ کی نگرانی نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ تمھارے متعلق میں نے دربارِ خلافت میں لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ تمھیں وہاں ایک فوجی مشیر کا عہدہ سنبھالنا پڑے۔"

"لیکن دمشق میں مجھ سے کہیں زیادہ تجربہ کار لوگ موجود ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ دربارِ خلافت میں آپ کے اثر و رسوخ کا ناجائز فائدہ اٹھاؤں۔

ابھی مجھے بہت کچھ سیکھنا ہے۔ آپ مجھے ترکستان جانے کی اجازت دیں"۔

"محمد! تمہارا یہ قیاس غلط ہے۔ تم اگر بھتیجے ہونے کی بجائے میرے بیٹے بھی ہوتے تو بھی میں تمہاری بے جا حمایت نہ کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ تم بڑی سے بڑی ذمہ داری سنبھال سکتے ہو۔ یہ محض اتفاق ہے کہ تم میرے بھتیجے ہو۔ پرسوں کی ملاقات میں جو اثر تم نے مجھ پر ڈالا ہے۔ اس کے بعد خواہ تم کوئی ہوتے، میں یقیناً تمہارے لیے یہی کچھ کرتا۔ قتیبہ بذاتِ خود غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ وہ تمہارے بغیر کام چلا سکے گا۔ تم میدانِ جنگ کی بجائے دمشق یا بصرہ میں رہ کر اس کی زیادہ مدد کر سکتے ہو۔ تم نوجوان ہو۔ وہ نوجوان جو بوڑھوں کی آواز سے ٹس سے مس ہونے کے عادی نہیں، یقیناً تمہاری آواز پر لبیک کہیں گے۔ قیتبہ کی سب سے بڑی مدد یہ ہوگی کہ تم یہاں یا دمشق میں بیٹھ کر اس کے لیے مزید سپاہی بھرتی کرتے رہو۔ دوسرے محاذ پر ہماری افواج مغربی افریقہ تک پہنچ چکی ہیں۔ ممکن ہے کہ موسیٰ بن نصیر کسی دن سمندر عبور کر کے سپین پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس صورت میں ہمارے لیے مغربی محاذ ترکستان کے محاذ سے بھی زیادہ اہم ہو جائے گا۔ اس لیے جب تک دربارِ خلافت سے میرے مکتوب کا جواب نہیں آتا تم یہیں رہو اور تمہارے ماموں جان ابھی تک کوفے سے آئے کہ نہیں؟"

محمد بن قاسم نے جواب دیا۔ "وہ شاید آج آجائیں"۔

"انہیں آتے ہی میرے پاس بھیجنا اور کہنا کہ یہ والیٔ بصرہ کا حکم نہیں، حجاج بن یوسف کی درخواست ہے"۔

محمدؒ بن قاسم باہر نکلا تو ایک کنیز نے کہا کہ آپ کی چچی آپ کو اندر بلاتی ہیں۔

محمدؒ بن قاسم حرم سرا میں داخل ہوا۔ زبیدہ اپنی ماں کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ محمدؒ بن قاسم کو دیکھ کر اس کے چہرے پر حیا کی سرخی چھا گئی اور وہ اٹھ کر دوسرے کمرے

میں چلی گئی۔

چچی نے محمدؒ بن قاسم کو اپنے سامنے ایک کرسی پر بٹھا لیا اور پوچھا "بیٹا! تمہارے ماموں جان آئے ہیں یا نہیں؟"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "وہ آج آجائیں گے لیکن ان کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ چچا بھی مجھ سے انہی کے متعلق پوچھتے تھے"۔

"کچھ نہیں بیٹا! ایک کام ہے"۔

محمدؒ بن قاسم چچی سے رخصت ہو کر گھر پہنچا تو حجاج بن یوسف کی ایک بوڑھی خادمہ باہر نکل رہی تھی۔ وہ اندر داخل ہوا تو ماں بستر پر تکیے کا سہارا لیے بیٹھی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی مسکرا کر بولی۔ "بیٹا! اب تو شاید تمہیں چند دن اور یہیں رہنا پڑے گا"۔

"ہاں امیؔ! چچا نے دربارِ خلافت میں فوجی مشیر کے عہدے کے لیے میری سفارش کی ہے اور مجھے جواب آنے تک یہیں ٹھہرنا پڑے گا!"

"بیٹا! حجاج کبھی کسی پر مہربان نہیں ہوا لیکن تم بہت خوش نصیب ہو!"

"امیؔ! میں اپنے پاؤں پر اٹھنا چاہتا ہوں۔ اگر دمشق جا کر مجھے معلوم ہوا کہ میں اپنے نئے عہدے کا اہل نہیں تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہاں بڑی بڑی عمر کے لوگ مجھ پر ہنسیں گے اور سب یہ کہیں گے کہ میرے ساتھ خاص رعایت کی گئی ہے"۔

"بیٹا! حجاج میں لاکھ برائیاں ہیں لیکن اس میں ایک خوبی ضرور ہے کہ وہ عہدیداروں کا انتخاب کرتے وقت غلطی نہیں کرتا۔ میں خود یہ نہیں چاہتی کہ وہ میرے بیٹے کے ساتھ کوئی رعایت کرے لیکن اگر اس نے تمہاری کوئی ے جا رعایت بھی کی ہے تو میں یہ چاہتی ہوں کہ تم نہ صرف خود کو اپنے منصب ہل ثابت کر دکھاؤ بلکہ یہ ثابت کر دو کہ تم اس سے زیادہ اہم ذمہ داری سنبھال

سکتے ہو۔ میں تمھیں ایک اور خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا ؟"

"پہلے وعدہ کرو کہ میں جو کچھ کہوں گی، تم اس پر عمل کرو گے ؟"

"امّی! آج تک آپ کا کوئی حکم ایسا ہے جس سے میں نے سرتابی کی ہو ؟"

"جیتے رہو بیٹا! میری دعا ہے کہ جب تک دن کو سورج اور رات کو چاند اور ستارے میسر ہیں۔ تمھارا نام دنیا میں روشن رہے اور قیامت کے دن مجاہدینِ اسلام کی ماؤں کی صف میں میری گردن کسی سے نیچی نہ ہو۔"

"ہاں امی! وہ خوشخبری کیا تھی ؟"

ماں نے مسکراتے ہوئے تکیے کے نیچے سے ایک خط نکالا اور کہا۔ "لو پڑھ لو۔ تمھاری چچی کا خط ہے۔"

محمدؒ بن قاسم نے خط کھولا اور چند سطور پڑھنے کے بعد اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے خط ختم کیے بغیر ماں کے آگے رکھ دیا اور دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا

"کیوں بیٹا! کیا سوچ رہے ہو۔"

"کچھ نہیں امیّ!"

"بیٹا! یہ میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی اور حجاج سے نفرت کے باوجود میں یہ دُعا کرتی تھی کہ زبیدہ میری بہو بنے۔ پچھلے دنوں وہ باپ سے چھپ چھپ کر میری تیمارداری کرتی رہی۔ سچ کہتی ہوں کہ اگر میری کوئی اپنی لڑکی بھی ہوتی تو شاید میرا اسی قدر خیال کرتی ـــ مجھے یہ ڈر تھا کہ حجاج بن یوسف کبھی یہ گوارا نہ کرے گا اور میں خدا سے تمھاری عزّت، ترقّی اور شہرت کے لیے دُعائیں کیا کرتی تھی۔ میں جب بھی زبیدہ کو دیکھتی، میرے مُنہ سے

یہ دُعا نکلتی۔ "یا اللہ! میرے بیٹے کو ایسا بنا دے کہ حجاج اُسے اپنا داماد بنانے پر فخر محسوس کرے۔ آج میری آرزوئیں پوری ہوئیں۔ لیکن یہ خیال نہ کرنا کہ میں صرف اس لیے خوش ہوں کہ تم والئ بصرہ کے داماد بنو گے۔ بلکہ میں اس لیے خوش ہوں کہ مدینہ، دمشق اور بصرہ میں مَیں نے زبیدہ جیسی لڑکی نہیں دیکھی۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ دمشق میں یا کہیں اور جانے سے پہلے تمھاری شادی کر دی جائے تمھیں کوئی اعتراض تو نہ ہوگا بیٹا!"

"امّی! آپ کو خوش رکھنا میں دنیا کی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہوں لیکن ماموں جان حجاج سے بہت نفرت کرتے ہیں۔"

"اس کے باوجود وہ زبیدہ کو انہی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جن سے میں دیکھتی ہوں۔ تم ان کی فکر نہ کرو۔"

(۶)

تین ہفتوں کے بعد بصرہ، کوفہ اور عراق کے دوسرے شہروں میں یہ خبر حیرت و استعجاب سے سنی گئی کہ حجاج بن یوسف نے جو عالمِ اسلام کی کسی بڑی شخصیت کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اپنے بھائی قاسم کے یتیم اور غریب لڑکے کے ساتھ اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کر دی۔ دعوتِ ولیمہ میں شہر کے معززین کے علاوہ محمدؒ بن قاسم کے بہت سے دوست اور ہم مکتب شریک تھے۔

اگلے دن حجاج بن یوسف نے محمدؒ بن قاسم کو بلا کر یہ خوشخبری سُنائی کہ دمشق سے خلیفۃ المسلمین کا ایلچی آگیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ تمھیں فوراً دمشق بھیج دیا جائے۔

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "میں جانے کے لیے تیار ہوں لیکن دربارِ خلافت کے بڑے بڑے عہدہ دار مجھے دیکھ کر یہی سمجھیں گے کہ آپ کی وجہ سے میرے

ساتھ بے جا رعایت کی گئی ہے۔"

حجاج نے جواب دیا۔ "قیمتی پتھر اپنی ضخامت سے نہیں بلکہ چمک سے پہچانے جاتے ہیں۔ میں نے فقط تمھاری فطری صلاحیتوں کی نشو و نما کے لیے ایک موزوں ماحول تلاش کیا ہے، دربارِ خلافت میں تم صیغۂ امورِ حرب کی مجلسِ شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے کام کرو گے اور اگر تم اپنے رفقائے کار اور خلیفہ کو میری طرح متاثر کر سکے تو یقین رکھو کہ کسی کو تمھاری کم عمری کی شکایت نہیں ہو گی۔"

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "لیکن میں حیران ہوں کہ صیغۂ امورِ حرب کی مجلسِ شوریٰ دمشق میں کیا کرتی ہے! خلیفہ نے امورِ حرب کی تمام ذمہ داری تو آپ کو سونپ رکھی ہے۔ سپہ سالاروں کے ایلچی براہِ راست آپ کے پاس آتے ہیں نقل و حرکت کے تمام احکام آپ کی طرف سے جاتے ہیں۔"

"یہ اس لیے کہ مجلسِ شوریٰ میں تمھارے جیسے سرگرم اور بیدار مغز ارکان کی کمی ہے اور ان کا بہت سا بوجھ مجھ پر ڈال دیا گیا ہے۔ اب تم وہاں جاؤ گے تو کم از کم میرے سر سے افریقہ کے محاذ کی نگرانی کا بوجھ ختم جائے گا۔ افریقہ کے حالات میں ذرا سی تبدیلی پر امیر المومنین مجھے ہر دوسرے تیسرے مہینے مشورے لینے کے لیے بلاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ تمھاری صلاحیتیں دیکھ کر مجھے وہ بار بار بلانے کی ضرورت محسوس نہ کریں اور میں ترکستان کے محاذ کی طرف زیادہ توجہ دے سکوں۔"

محمدؒ بن قاسم نے پوچھا۔ "مجھے کب جانا چاہیے؟"

"میرے خیال میں تم کل ہی روانہ ہو جاؤ۔ میں چند دنوں تک تمھاری والدہ اور زبیدہ کو دمشق بھیجنے کا انتظام کر دوں گا۔"

محمدؒ بن قاسم رخصت ہونے کو تھا کہ حبشی غلام نے اندر آ کر حجاج بن یوسف کو اطلاع دی کہ ایک نوجوان حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں سراندیپ سے نہایت اہم خبر لے کر آیا ہوں۔"

حجاج بن یوسف نے کہا۔ "بلاؤ اسے اور محمدؒ تم بھی ٹھہرو! میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سراندیپ سے کوئی اچھی خبر نہیں آئی۔"

غلام کے جانے کے تھوڑی دیر بعد زبیر اندر داخل ہوا۔ اس کے کپڑے گرد و غبار سے اٹے ہوئے تھے اور خوبصورت چہرے پر حزن و ملال اور تھکاوٹ کے آثار تھے۔ حجاج بن یوسف نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور کہا۔ "زبیر! تم آ گئے۔ تمھارا جہاز......!"

زبیر نے جواب دیا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے پاس اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔ سندھ کے ساحل پر دیبل کے گورنر نے ہمارا جہاز لُوٹ لیا ہے۔ دوسرا جہاز جس پر سراندیپ کے راجہ نے آپ کے اور خلیفہ کے لیے تحائف بھیجے تھے، وہ بھی لُوٹ لیا ہے اور مسلمانوں کے یتیم بچے جنھیں میں لینے کے لیے گیا تھا، قید کر لیے ہیں۔"

حجاج نے کہا۔ "تم یہاں کیسے پہنچے۔ مجھے تمام واقعات بتاؤ۔"

زبیر نے شروع سے لے کر آخر تک اپنی سرگزشت سنائی۔ حجاج بن یوسف کی آنکھوں میں غم و غصّہ کے شعلے بھڑکنے لگے۔ اس کے چہرے پر پُرانی ہیبت چھا گئی اور وہ ہاتھوں کی مُٹھیاں بھینچتا اور ہونٹ چباتا ہوا کمرے میں چکر لگانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک دیوار کے قریب رُک کر ہندوستان کے نقشے کی طرف دیکھنے لگا اور اس کے منہ سے ایک زخمی شیر کی گرج سے ملتی جلتی آواز نکلی۔ "سندھ کے راجہ کی یہ جُرأت؟ بکریاں بھی شیروں کو سینگ دکھانے

لگیں۔ شاید اسے بھی یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ہماری افواج شمال اور مغرب میں پھنسی ہوئی ہیں۔”

یہ کہہ کر حجاج زبیر کی طرف متوجہ ہوا۔ “تم نے ابھی تک بصرہ میں تو کسی کو یہ خبر نہیں سنائی۔”

زبیر نے جواب دیا۔ “نہیں! میں سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں۔”

حجاج بن یوسف نے کہا۔ “سندھ کی طرف سے اس سے زیادہ صریح الفاظ میں ہمارے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہو سکتا لیکن تم جانتے ہو کہ اس وقت ہماری مجبوریاں ہمیں ایک نئے محاذ کی طرف پیش قدمی کی اجازت نہیں دیتیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ الم ناک خبر ابھی عوام تک نہ پہنچے، وہ خود جہاد پر جانے کے لیے تیار ہوں یا نہ ہوں لیکن مجھے کوسنے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔”

زبیر نے کہا۔ “آپ کا مطلب ہے کہ آپ یہ سب کچھ خاموشی سے برداشت کر لیں گے۔”

حجاج نے جواب دیا۔ “سر دست خاموشی کے سوا میرے لیے کوئی چارہ نہیں۔ میں مکران کے گورنر کو لکھتا ہوں کہ وہ خود سندھ کے راجہ کے پاس جائے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنی غلطی کی تلافی کے لیے آمادہ ہو جائے اور مسلمان بچّوں کو اس کے حوالے کر دے۔”

زبیر نے کہا۔ “میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اپنی غلطی کے اعتراف کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ ابو الحسن کا جہاز لاپتہ ہونے پر بھی آپ نے مکران کے گورنر کو وہاں بھیجا تھا لیکن انھوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور مجھے یقین ہے کہ ابو الحسن کا جہاز بھی لُوٹا گیا تھا اور وہ اور اس کے چند ساتھی ابھی تک راجہ کی قید میں ہیں۔ میں خود بھی مکران کے عامل سے مل کر آیا ہوں۔ وہ یہ کہتے

تھے کہ ان کے ساتھ راجہ اور اس کے اہل کار گزشتہ ملاقات میں نہایت ذِلّت آمیز سلوک کر چکے ہیں۔ اس لیے وہ بذاتِ خود دوبارہ اس کے پاس جانا پسند نہیں کرتے تاہم انھوں نے آپ کا مشورہ لیے بغیر مکران کے سالارِ اعلیٰ عبید اللہ کی قیادت میں دیبل کے حاکم کے پاس ایک وفد بھیج دیا ہے۔ جو کچھ میں دیکھ چکا ہوں اس سے میرا اندازہ ہے کہ دیبل کا راجہ انتہا درجے کا بے رحم اور ہٹ دھرم ہے اور عبید اللہ بھی کافی جوشیلا ہے، ممکن ہے کہ وہاں ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو جو ہمارے ساتھ ہو چکا ہے اور وہ راجہ سے ملاقات کرنے سے پہلے ہی کسی خطرے کا شکار ہو جائیں۔”

حجاج نے کہا۔ “تاہم میں عبید اللہ کی واپسی کا انتظار کروں گا۔”

“اور اگر وہ بھی اچھی خبر نہ لایا تو؟”

“میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سندھ ایک وسیع ملک ہے اور ہمیں وہاں لشکر کشی سے پہلے ایک لمبی تیاری کی ضرورت ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ امیر المومنین، ترکستان، افریقہ اور اس کے بعد شاید اندلس کی فتح سے پہلے ہمیں سندھ پر لشکر کشی کی اجازت نہ دیں۔”

محمدؒ بن قاسم اب تک خاموشی سے یہ باتیں سُن رہا تھا۔ اس نے زبیر کی مایوس نگاہوں سے متاثر ہو کر کہا۔ “خلیفہ کو رضا مند کرنے کی ذمّہ داری میں لیتا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میں کل کی بجائے آج ہی دمشق روانہ ہو جاؤں۔”

حجاج نے جواب دیا۔ “برخوردار! جاتے ہی خلیفہ کو ایسا مشورہ دے کر تم اپنی سپاہیانہ صلاحیتوں کا اچھا مظاہرہ نہیں کرو گے۔ تمھاری غیرت اور شجاعت میں کلام نہیں لیکن دشمنوں کے قلعے خالی تدبیروں سے فتح نہیں ہوتے اس مہم کے لیے بہت سے سپاہیوں کی ضرورت ہو گی اور عراق، عرب اور

شام کے کسی مستقر میں ہمارے پاس زائد افواج نہیں۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "میں مسلمانوں کی غیرت سے مایوس نہیں۔ ایسی خبر ان لوگوں کو بھی متاثر کر سکتی ہے، جنھیں آرام کی زندگی جذبۂ جہاد سے محروم کر چکی ہے ممکن ہے کہ آپ اپنی عمر کے لوگوں سے مایوس ہوں لیکن میں نوجوانوں سے مایوس نہیں۔ وہ نوجوان جو آپ اور خلیفہ سے اختلاف کے باعث ترکستان اور افریقہ جا کر لڑنا پسند نہیں کرتے۔ مسلمان بچوں پر سندھ کے راجہ کے مظالم کی داستان سُن کر یقیناً متاثر ہوں گے۔ ہزاروں نوجوان ایسے ہیں جن کی حمیت ابھی تک فنا نہیں ہوئی وہ مسلمان جن سے آپ مایوس ہیں، مرے نہیں سو رہے ہیں اور قوم کے یتیم بچوں کی فریاد یقیناً ان کے لیے صورِ اسرافیل ثابت ہو گی۔"

حجاج بن یوسف گہری سوچ میں پڑ گیا۔ زبیر نے موقع دیکھ کر ایک سفید رومال جس پر "ناہید" کی تحریر تھی، اپنی جیب سے نکال کر اسے پیش کیا اور کہا۔ "آپ کے نام یہ مکتوب ابوالحسن کی لڑکی نے اپنے خون سے لکھا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ اگر حجاج بن یوسف کا خون منجمد ہو چکا ہو تو میرا یہ خط پیش کر دینا ورنہ اس کی ضرورت نہیں۔"

حجاج بن یوسف رومال پر خون سے لکھی ہوئی تحریر کی چند سطور پڑھ کر کپکپا اٹھا اور اس کی آنکھوں کے شعلے پانی میں تبدیل ہونے لگے۔ اس نے رومال محمدؒ بن قاسم کے ہاتھ میں دے دیا اور خود دیوار کے پاس جا کر ہندوستان کا نقشہ دیکھنے لگا۔ محمدؒ بن قاسم نے شروع سے لے کر آخر تک یہ مکتوب پڑھا مکتوب کے الفاظ یہ تھے:۔

"مجھے یقین ہے کہ والئ بصرہ قاصد کی زبانی مسلمان بچوں اور

عورتوں کا حال سن کر اپنی فوج کے غیور سپاہیوں کو گھوڑوں پر زینیں ڈالنے کا حکم دے چکا ہو گا اور قاصد کو میرا یہ خط دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر حجاج بن یوسف کا خون منجمد ہو چکا ہے تو شاید میری تحریر بھی بے سود ثابت ہو۔ میں ابوالحسن کی بیٹی ہوں۔ میں اور میرا بھائی ابھی تک دشمن کی دسترس سے محفوظ ہیں لیکن ہمارے ساتھی ایک ایسے دشمن کی قید میں ہیں جس کے دل میں رحم کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ قید خانے کی اس تاریک کوٹھڑی کا تصوّر کیجیے۔ جس کے اندر اسیروں کے کان مجاہدین اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سننے کے لیے بیقرار ہیں۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ میں اور میرا بھائی دشمن کی قید سے بچ گئے تھے، لیکن ہماری تلاش جاری ہے اور ممکن ہے کہ ہمیں بھی کسی تاریک کوٹھڑی میں پھینک دیا جائے۔ ممکن ہے اس سے پہلے ہی میرا زخم مجھے موت کی نیند سلا دے اور میں عبرتناک انجام سے بچ جاؤں۔ لیکن مرتے وقت مجھے یہ افسوس ہو گا کہ وہ صبا رفتار گھوڑے جن کے سوار ترکستان اور افریقہ کے دروازے کھٹکھٹا رہے ہیں۔ اپنی قوم کے یتیم اور بے بس بچوں کی مدد کو نہ پہنچ سکے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ تلوار جو روم و ایران کے مغرور تاجداروں کے سر پر صاعقہ بن کر کوندی۔ سندھ کے مغرور راجہ کے سامنے کند ثابت ہو گی۔ میں موت سے نہیں ڈرتی لیکن اے حجاج! اگر تم زندہ ہو تو اپنی غیور قوم کے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کو پہنچو ——— !!

ناہید!

ایک غیور قوم کی بے بس بیٹی

محمدؒ بن قاسم نے رومال لپیٹ کر زبیر کے حوالے کیا اور حجاج بن یوسف کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ گردوپیش سے بے خبر سا ہو کر نقشے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

محمدؒ بن قاسم نے پوچھا۔ ”آپ نے کیا فیصلہ کیا؟“

حجاج بن یوسف نے خنجر نکالا اور اس کی نوک سندھ کے نقشے میں پیوست کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں سندھ کے خلاف اعلانِ جہاد کرتا ہوں۔ محمدؒ! تم آج ہی دمشق روانہ ہو جاؤ۔ زبیر کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ یہ مکتوب بھی امیرالمومنین کو دکھا دینا۔ جتنی فوج دمشق سے فراہم ہو، لے کر یہاں پہنچ جاؤ۔ میرا خط بھی امیرالمومنین کے پاس لے جاؤ۔ واپس آنے میں دیر نہ کرنا۔ ہاں! اگر امیرالمومنین متاثر نہ ہوں تو دمشق کی رائے عامہ کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرنا اور مجھے یقین ہے کہ امیرالمومنین عوام میں زندگی کے آثار دیکھ کر سندھ کے خلاف اعلانِ جہاد میں پس و پیش نہیں کریں گے۔ میں تمھیں ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپ رہا ہوں اور دمشق سے واپس آنے پر شاید تمھیں اس سے کہیں زیادہ اہم ذمہ داری سونپ دی جائے۔ میرا خط دکھانے پر تمھیں راستے کی ہر چوکی سے تازہ دم گھوڑے مل جائیں گے۔ اب جا کر تیار ہو آؤ۔ اتنی دیر میں میں خط لکھتا ہوں اور زبیر تم بھی تیار ہو جاؤ۔“

حجاج بن یوسف نے تالی بجائی اور ایک حبشی غلام بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا۔

حجاج نے کہا۔ ”انھیں مہمان خانے میں لے جاؤ۔ کھانا کھلانے کے بعد ان کے کپڑے تبدیل کراؤ اور ان کے سفر کے لیے دو بہترین گھوڑے تیار کرو۔“

بصرہ سے دمشق تک

چند دنوں کی یلغار کے بعد محمدؒ بن قاسم اور زبیر ایک صبح دمشق سے چند کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی سے باہر فوجی چوکی پر اترے۔ محمدؒ بن قاسم نے چوکی کے افسر کو حجاج بن یوسف کا خط دکھایا اور تازہ دم گھوڑے تیار کرنے اور کھانا لانے کا حکم دیا۔

افسر نے جواب دیا۔ ”کھانا حاضر ہے لیکن آج گھوڑے شاید آپ کو نہ مل سکیں۔ ہمارے پاس اس وقت صرف پانچ گھوڑے ہیں۔“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”لیکن ہمیں تو صرف دو چاہئیں۔“

”لیکن ان گھوڑوں پہ امیرالمومنین کے بھائی سلیمان بن عبدالملک اور ان کے ساتھی دمشق روانہ ہونے والے ہیں۔ کل چونکہ دمشق میں فنونِ حرب کی نمائش ہو گی، اس لیے ان کا آج شام تک وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ میں نہ والیٔ بصرہ کے حکم سے سرتابی کر سکتا ہوں اور نہ امیرالمومنین کے بھائی کو ناراض کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ بہت سخت طبیعت کے آدمی ہیں۔“

”وہ کہاں ہیں؟“

”وہ اندر آرام فرما رہے ہیں۔ غالباً دوپہر کے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے۔ اگر آپ کا کام بہت ضروری ہے تو ان سے اجازت لے لیجیے۔ دوپہر تک اُن کے گھوڑے تازہ دم ہو جائیں گے۔ ویسے بھی کوئی بڑی منزل طے کر کے نہیں آئے آپ کھانا کھا کر ان سے پُوچھ لیں۔ بذاتِ خود میں آپ کو منع نہیں کرتا۔ آپ لے جائیں تو آپ کی مرضی لیکن ہماری شامت آجائے گی۔“

زبیر اور محمدؒ بن قاسم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر کھانا کھایا اور محمدؒ بن قاسم اندر جانے کے ارادے سے اُٹھا لیکن زبیر نے کہا۔ ”کیا یہ ضروری ہے کہ ہم سلیمان کی اجازت حاصل کریں۔ یہ گھوڑے صرف فوجی ضروریات کے لیے یہاں رکھے گئے ہیں اور سلیمان سیر و تفریح کے لیے دمشق جا رہا ہے۔ اسے فوجی معاملات میں رکاوٹ پیدا کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ گھوڑے اصطبل میں تیار کھڑے ہیں۔ شہزادہ سلیمان دوپہر تک آرام فرمائے گا۔ اس کے بعد کچھ دیر آئینہ سامنے رکھ کر اپنے خادموں سے اپنی خوبصورتی کی تعریف سُنے گا۔ اس کے بعد اپنے اشعار کی داد لے گا۔ پھر اپنی نیزہ بازی اور شہسواری کی تعریف سُنے گا۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ شام کے وقت سپاہیوں کو حکم دے کہ گھوڑوں کی زینیں اُتار دو، ہم صبح جائیں گے۔“

محمدؒ بن قاسم نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے۔ آپ سُلیمان بن عبدالملک کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔“

”ہاں! میں اسے اچھّی طرح جانتا ہوں۔ عالمِ اسلام میں شاید اس سے زیادہ مغرور اور خود پسند آدمی کوئی نہ ہو۔ اسی لیے میں یہ کہتا ہو کہ مجھے اس سے کسی اچھے جواب کی امید نہیں۔“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”مجھے صرف یہ خیال ہے کہ ہمارے چلے جانے کے بعد چوکی کے سپاہیوں کی شامت آجائے گی۔ اس لیے اس سے پوچھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔“

”آپ کی مرضی لیکن آپ پوچھنے جائیں اور میں اتنی دیر میں اصطبل سے دو گھوڑے کھول کر لاتا ہوں۔“

محمدؒ بن قاسم نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ سلیمان اپنے ساتھیوں کے درمیان دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ دو خادم اس کے پاؤں دبا رہے تھے۔

محمدؒ بن قاسم السّلام علیکم کہہ کر اندر داخل ہوا۔ سلیمان نے بے پروائی سے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟“

محمدؒ بن قاسم نے اس کی ترش کلامی سے لاپروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”معاف کیجیے! میں آپ کے آرام میں مخل ہوا۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ میں دمشق میں ایک ضروری پیغام لے کر جا رہا ہوں۔“

”جاؤ، ہم نے کب روکا تمھیں؟“ سلیمان کے ساتھیوں نے اس پر ایک قہقہہ لگایا لیکن محمدؒ بن قاسم نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا:

”ہمارے گھوڑے بہت تھکے ہوئے ہیں اور میں اس چوکی سے دو تازہ گھوڑے لے جا رہا ہوں۔ اس کے لیے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت تو نہ تھی لیکن میں نے اس خیال سے آپ کی ملاقات ضروری سمجھی کہ آپ خوامخواہ چوکی کے سپاہیوں کو بُرا بھلا نہ کہیں۔“

سلیمان نے ذرا اکڑ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”اگر تمھارے گھوڑے تھکے ہوئے ہیں تو تم پیدل جا سکتے ہو۔“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”ایک سپاہی کے لیے پیدل چلنا باعث عار

نہیں لیکن میں بہت جلد دمشق پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"تو تم سپاہی ہو۔ تمھارے نیام میں لکڑی کی تلوار ہے یا لوہے کی؟" سلیمان کے ساتھیوں نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔

محمدؒ بن قاسم نے پھر اطمینان سے جواب دیا۔ "اگر بازوؤں میں طاقت ہو تو لکڑی سے بھی لوہے کا کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری تلوار بھی لوہے کی ہے اور مجھے اپنے بازوؤں پر بھی بھروسہ ہے۔"

سلیمان نے اپنے ایک ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "صالح! یہ لڑکا باتوں میں کافی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ ذرا اُٹھو، میں اس کے سپاہیانہ جوہر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ایک گندمی رنگ کا قوی ہیکل شخص فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور نیام سے تلوار نکال کر آگے بڑھا۔

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "میں راہ چلتوں کے سامنے اپنی سپاہیانہ صلاحیتوں کی نمائش کرنے کا عادی نہیں اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہی ہے اور اگر وقت ہوتا تو بھی میں کرائے پر قہقہے لگانے والوں سے دل لگی کرنا ایک سپاہی کے لیے باعثِ عار سمجھتا ہوں۔"

محمدؒ بن قاسم یہ کہہ کر باہر نکل آیا لیکن صالح نے آگے بڑھ کر تلوار کی نوک سامنے کرتے ہوئے اس کا راستہ روک لیا اور کہا۔ "بے وقوف! اگر تمھاری عمر دو چار سال اور زیادہ ہوتی، تو میں تمھیں بتاتا کہ کرائے پر قہقہہ لگانے والا کسے کہتے ہیں۔"

سامنے زبیر ایک گھوڑے پر سوار ہو کر دوسرے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھا۔ سلیمان نے باہر نکل کر کہا۔ "اسے جانے دو، یہ بے چارہ خدا جانے

کہاں سے تلوار اٹھا لایا ہے۔ لیکن وہ کون ہے؟"

اس نے زبیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسے روکو!"

صالح زبیر کی طرف متوجہ ہوا لیکن آنکھ جھپکنے میں محمدؒ بن قاسم کی تلوار نیام سے باہر آ چکی تھی۔ اس نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ایّام جاہلیّت کے عرب اب بھی اس دنیا میں موجود ہیں لیکن تم ہمیں نہیں روک سکتے۔"

صالح تلوار کی نوک اس کے سینے کی طرف بڑھاتے ہوئے چلّایا۔ "اگر تمھاری زبان سے ایک لفظ اور نکلا تو میری تلوار خون میں نہائے بغیر نیام میں......"

لیکن اس کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے محمدؒ بن قاسم کی تلوار کی جنبش سے ہوا میں ایک سنسناہٹ اور پھر دو تلواروں کے ٹکرانے سے جھنکار پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی صالح کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دس قدم دور جا پڑی اور وہ حیرت، ندامت اور پریشانی کی حالت میں اپنے ساتھیوں اور اس کے ساتھی دم بخود ہو کر محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سلیمان نے اپنے ساتھی کی بے بسی کو دیکھ کر زور سے قہقہہ لگایا لیکن محمدؒ بن قاسم کو گھوڑے پر سوار ہوتا دیکھ کر قہقہے کی آواز اس کے گلے میں اٹک گئی اور اس نے چلّا کر کہا۔ "ٹھہرو!"

محمدؒ بن قاسم نے گھوڑے کی لگام موڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ کا ساتھی بہادر ہے لیکن تلوار پکڑنا نہیں جانتا۔ میرا مشورہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کو دمشق کی نمائش میں لے جانے سے پہلے کسی سپاہی کے سپرد کریں۔" یہ کہہ کر محمدؒ بن قاسم نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور دونوں آن کی آن میں درختوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔

صالح غصّے سے اپنے ہونٹ کاٹتا ہوا اصطبل کی طرف بھاگا۔ سلیمان نے کہا: ”بس اب رہنے دو۔ تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ایک نوجوان لڑکا ہم سب کا مُنہ چڑا کر نکل گیا۔“

راستے میں زبیر نے محمدؒ بن قاسم سے کہا۔ ”دیکھ لیا شہزادہ سلیمان کو۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ وہ خلافت کا امیدوار بھی ہے۔“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”خدا مسلمانوں کو شر سے بچائے۔“

زبیر نے کہا۔ ”محمدؒ! آج میں نے پہلی دفعہ تمھارے چہرے پر جلال دیکھا ہے۔ تلوار نکالتے وقت تم اپنی عمر سے کئی سال بڑے معلوم ہوتے تھے اور جانتے ہو وہ شخص جسے تم نے مغلوب کیا ہے کون تھا؟ وہ صالح تھا۔ قریباً ڈیڑھ سال ہوا، میں نے اُسے کوفہ میں دیکھا تھا۔ اسے تیغ زنی میں اپنے کمال پر ناز ہے لیکن آج اس کا غرور اسے لے ڈوبا۔“

(۲)

دمشق کی جامع مسجد میں نمازِ عصر ادا کرنے کے بعد محمدؒ بن قاسم اور زبیر قصرِ خلافت میں داخل ہوئے۔ خلیفہ ولید کے دربان نے اُن کی آمد کی اطّلاع پاتے ہی انھیں اندر بُلا لیا۔ ولید بن عبدالملک نے یکے بعد دیگرے ان دونوں کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پوچھا۔ ”تم میں سے محمدؒ بن قاسم کون ہے؟“

محمد بن قاسم نے جواب دیا۔ ”میں ہوں۔“

حاضرینِ دربار جن کی نگاہیں زبیر پر مرکوز ہو چکی تھیں، حیرت زدہ ہو کر محمدؒ بن قاسم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی خاموش نگاہیں آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ حجاج بن یوسف کے گزشتہ مکتوب سے ولید کو معلوم ہو چکا تھا کہ محمدؒ بن قاسم

بالکل نوجوان ہے لیکن اس کے باوجود وہ بھی درباریوں کی طرح زبیر ہی کو حجاج بن یوسف کا ہونہار بھتیجا سمجھ رہا تھا۔ اور سولہ سترہ سالہ نوجوان کو قتیبہ کے لشکر کے ہراول کا سالارِ اعلیٰ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

آنکھوں کے اشاروں کے ساتھ اہلِ دربار کی زبانیں بھی ہلنے لگیں اور ولید نے اچانک یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اس کے خاندان کے سب سے بڑے محسن حجاج بن یوسف کے متعلق کچھ کہا جا رہا ہے، مسند سے اُٹھ کر محمد اور زبیر سے مصافحہ کیا اور انھیں اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔ ”وہ مجاہد جس کے متعلق حجاج بن یوسف جیسا مردم شناس اور قتیبہ بن مسلم جیسا سپہ سالار اس قدر بلند رائے رکھتے ہوں، میرے لیے یقیناً قابلِ احترام ہے۔“ پھر اس نے محمدؒ بن قاسم سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ”اور یہ تمھارا بڑا بھائی ہے؟“

”نہیں امیرالمومنین، یہ زبیر ہے۔“

ولید نے زبیر کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے شاید پہلے بھی تمھیں دیکھا ہے۔ شاید تم سراندیپ کے ایلچی کے ساتھ گئے تھے۔ تم کب آئے اور وہ بچّے کہاں ہیں؟“

خلیفہ کی طرح حاضرینِ دربار کی توجّہ بھی زبیر پر مرکوز ہو گئی اور بعض نے اسے پہچان لیا۔ زبیر کا تذبذب دیکھ کر محمدؒ بن قاسم نے جلدی سے حجاج بن یوسف کا خط پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”امیرالمومنین! ہم ایک نہایت ضروری پیغام لے کر آئے ہیں۔ آپ ملاحظہ فرمائیں ——“ ولید نے خط کھول کر پڑھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد حاضرینِ دربار سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”سندھ کے راجہ نے ہمارا جہاز لُوٹ لیا ہے۔ سراندیپ سے آنے والی بیواؤں اور یتیم بچّوں کو قید کر لیا ہے۔ زبیر تم اپنی تمام سرگزشت خود سناؤ!“

زبیر نے شروع سے لے کر آخر تک تمام واقعات بیان کیے لیکن دربار میں جوش و خروش کی بجائے مایوسی کے آثار پا کر اختتام پر اس کی آواز بیٹھ گئی اور اس نے جیب سے رُومال نکال کر خلیفہ کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”ابوالحسن کی بیٹی نے یہ خط والیٔ بصرہ کے نام لکھا تھا۔“

حجاج بن یوسف کی طرح ولید بھی یہ خط پڑھ کر بے حد متاثر ہوا۔ اس نے اہلِ دربار کو سُنانے کے لیے خط کو دوسری بار بلند آواز میں پڑھنے کی کوشش کی لیکن چند فقرے پڑھنے کے بعد اس کی آواز رُک گئی۔ اُس نے مکتوب محمدؒ بن قاسم کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ”تم پڑھ کر سُنا دو!“

محمدؒ بن قاسم نے سارا خط پڑھ کر سُنایا۔ مجلس کا رنگ بدل چکا تھا۔ حاضرین میں سے اکثر کے چہرے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ جذبات کا طوفان عقل کی مصلحتوں کو مغلوب کر چکا ہے لیکن ولید کو خاموش دیکھ کر سب کی زبانیں گُنگ تھیں۔ شہر کا عمر رسیدہ قاضی دیر تک اس خاموشی کو برداشت نہ کر سکا۔ اس نے کہا۔ ”امیر المومنین! اب آپ کو کس بات کا انتظار ہے۔ یہ سوچنے کا موقع نہیں۔ پانی سر سے گزر چکا ہے۔“

ولید نے پوچھا۔ ”آپ کی کیا رائے ہے؟“

قاضی نے جواب دیا۔ ”امیر المومنین! فرض کے معاملے میں رائے سے کام نہیں لیا جاتا۔ رائے صرف اس وقت کام دے سکتی ہے جب سامنے دو راستے ہوں لیکن ہمارے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے۔“

ولید نے کہا۔ ”میں آپ سب کی رائے پُوچھتا ہوں۔“

ایک عہدیدار نے کہا۔ ”ہم میں سے کوئی بھی اُلٹے پاؤں چلنا نہیں جانتا۔“

ولید نے کہا۔ ”لیکن ہمارے پاس افواج کہاں ہیں؟ موسیٰ کا پیغام

آچکا ہے کہ وہ اندلس پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف ترکستان میں عراق کی تمام افواج کو قتیبہ اپنے لیے کافی نہیں سمجھتا۔ ہمیں نیا محاذ کھولنے کے لیے یا تو ان میں سے ایک محاذ کمزور کرنا پڑے گا یا اور کچھ مدّت انتظار کرنا پڑے گا۔“

قاضی نے جواب دیا۔ ”امیر المومنین! یہ خط سننے کے بعد ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جو انتظار کا مشورہ دے۔ اگر آپ یہ معاملہ عوام کے سامنے پیش کریں، تو مجھے امید ہے کہ سندھ کی مہم کے لیے ترکستان یا افریقہ سے افواج منگوانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔“

ولید نے کہا۔ ”اگر آپ عوام کو جہاد کے لیے آمادہ کرنے کی ذمّہ داری لینے کے لیے تیار ہیں۔ تو میں ابھی اعلانِ جہاد کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

قاضی مذبذب سا ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

ولید نے کہا۔ ”میں عوام سے مایوس نہیں۔ مجھے صرف یہ شکایت ہے کہ ہمارا اہلِ الرائے طبقہ خود غرض اور خود پسند ہو چکا ہے۔ آپ جانتے ہیں جب موسیٰ بن نصیر نے افریقہ میں پیش قدمی کی تھی تو اُونچے طبقے کے کئی آدمیوں نے ہماری مخالفت کی تھی جب قتیبہ نے مرو پر حملہ کیا تھا تو میرے اپنے ہی بھائی سلیمان نے مخالفت کی تھی۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ بااثر طبقے میں جو لوگ کچھ مخلص ہیں، وہ کاہل اور تن آسان ہیں اور گھروں میں بیٹھے روئے زمین پر غلبۂ اسلام کے لیے اپنی نیک دعاؤں کو کافی سمجھتے ہیں۔ اگر آپ سب عوام تک پہنچنے کی کوشش کریں تو چند دنوں میں ایک ایسی فوج تیار ہو سکتی ہے جو نہ صرف سندھ بلکہ تمام دنیا کی تسخیر کے لیے کافی ہو۔ لیکن بُرا نہ مانیں، آپ تھوڑی دیر کے لیے متاثر ہوئے ہیں۔ اور ایک یا دو دن عوام کو بلکہ اپنے جیسے اونچے طبقوں کے بے عمل لوگوں کو

یہ خبر سُنانے میں ایک لذّت محسوس کریں گے۔ سندھ کے ظالم راجہ کو برا بھلا کہیں گے اور اس کے بعد بنی اسرائیل کی طرح دُنیا اور عاقبت کا بوجھ خُدا کے سر تھوپ کر آرام سے بیٹھ جائیں گے لیکن اگر آپ ہمّت کریں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عامۃ المسلمین ابھی تک زندہ ہیں۔ اگر آپ اُونچے طبقے کی تفریحی مجالس کی بجائے دمشق کے ہر گھر میں جانا، عوام میں بیٹھنا اور ان سے باتیں کرنا گوارا کریں تو سندھ کے اسیر جو قید خانے کی دیواروں سے کان لگائے کھڑے ہیں۔ بہت جلد ہمارے گھوڑوں کی ٹاپ سُن سکیں گے اور خُدا اِس لڑکی کو زندگی اور صحت دے، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گی کہ ہماری تلواریں کند نہیں ہوئیں۔"

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "اگر امیرالمومنین مجھے اجازت دیں۔ تو میں یہ ذمّہ داری لینے کے لیے تیار ہوں۔"

ولید نے کہا۔ "تمھیں میری اجازت کی ضرورت نہیں۔"

محمدؒ بن قاسم کے بعد دربار کے ہر عہدیدار نے ولید کو نئی فوج بھرتی کرنے کا یقین دلایا اور یہ مجلس برخاست ہوئی۔

عشاء کی نماز کے بعد محمدؒ بن قاسم اور زبیر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک ایلچی نے آ کر یہ پیغام دیا کہ امیرالمومنین محمد بن قاسم کو بلاتے ہیں۔ محمدؒ بن قاسم سپاہی کے ساتھ چلا گیا اور زبیر اپنے بستر پر لیٹ کر کچھ دیر اس کا انتظار کرنے کے بعد اُونگھنے اُونگھتے سپنوں کی حسین وادی میں کھو گیا۔ دمشق سے کوسوں دور وہ ناہید کی تلاش میں سندھ کے شہروں میں بھٹک رہا تھا۔ قلعوں کی فصیلوں اور قید خانوں کے دروازے توڑ رہا تھا۔ قیدیوں کی آہنی بیڑیاں کھول رہا تھا۔ ناہید کی سیاہ اور چمکدار آنکھوں کے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ناہید! میں آ گیا ہوں۔ تم آزاد ہو۔ تمھارا زخم کیسا ہے؟ دیکھو برہمن آباد کے قلعے پر ہمارا جھنڈا لہرا رہا ہے۔"

اور وہ کہہ رہی تھی۔ "زبیر! میں اچھی ہوں لیکن تم دیر سے آئے، میں مایوس ہو چکی تھی۔"

میٹھے اور سہانے سپنے کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ وہ انتہائی بے کسی کی حالت میں پابہ زنجیر کھڑا ہے۔ راجہ کے چند سپاہی ننگی تلواریں اٹھائے اس کے چاروں طرف کھڑے اور باقی ناہید کو پکڑ کر قید خانے کی طرف لے جا رہے ہیں اور وہ مُڑ مُڑ کر ملتجی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی ہے۔ ناہید کے پاؤں اندر رکھتے ہی قید خانے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور وہ سخت جدوجہد کے بعد اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی زنجیریں توڑ کر سپاہیوں کو دھکیلتا، مارتا اور گراتا ہوا قید خانے کے دروازے تک پہنچتا ہے اور اسے کھولنے کی جدّوجہد کرتا ہے۔

زبیر نے "ناہید! ناہید!!" کہتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور سامنے محمدؒ بن قاسم کو کھڑا دیکھ کر پھر بند کر لیں۔

محمدؒ بن قاسم اُسے خواب کی حالت میں ہاتھ پاؤں مارتے اور ناہید کا نام لیتے ہوئے سُن چکا تھا۔ تاہم اس نے اسے گفتگو کا موضوع بنانا مناسب نہ سمجھا اور چپکے سے اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد زبیر نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور کہا۔ "آپ آ گئے؟"

محمد بن قاسم نے جواب دیا۔ "ہاں! میں آ گیا ہوں۔" اور پھر کچھ سوچ کر پوچھا "آپ نیزہ بازی اور تیغ زنی میں کیسے ہیں؟"

زبیر نے جواب دیا۔ "میں نے بچپن میں جو کھلونا پسند کیا تھا، وہ کمان تھی اور جب گھوڑے کی رکاب میں پاؤں رکھنے کے قابل ہوا۔ میں نے نیزے سے زیادہ

کسی اور چیز کو پسند نہیں کیا۔ رہی تلوار، اس کے متعلق کسی عرب سے یہ سوال کرنا کہ تم اس کا استعمال جانتے ہو یا نہیں؟ اس کے عرب ہونے میں شک کرنے کے مترادف ہے۔ آپ یقین رکھیے! میری تربیت آپ کے ماحول سے مختلف ماحول میں نہیں ہوئی۔

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "کل میرا اور آپ کا امتحان ہے۔ امیرالمومنین نے مجھے اسی لیے بُلایا تھا۔ ان کی خواہش ہے کہ ہم دونوں فنونِ حرب کی نمائش میں حصّہ لیں۔ اگر ہم مقابلے میں دوسروں پر سبقت لے گئے تو دمشق کے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑے گا اور ہمیں جہاد کے لیے تبلیغ کا موقع مل جائے گا۔ امیرالمومنین کی خواہش ہے کہ ہمارا مقابلہ سلیمان اور ان کے ساتھیوں سے ہو۔"

زبیر نے کہا۔ "امیرالمومنین کا خیال درست ہے۔ خدا نے ہمارے لیے یہ اچھا موقع پیدا کیا ہے لیکن میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ صالح اور سلیمان کے متعلق غلط اندازہ نہ لگائیں۔ راستے میں آپ کے ہاتھوں اس کا مات کھا جانا ایک اتّفاق کی بات تھی۔ وہ دونوں نیزہ بازی میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔ تاہم میں تیار ہوں۔"

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "ہمیں اپنی بڑائی مقصود نہیں۔ ہم ایک اچھّے مقصد کے لیے نمائش میں حصّہ لیں گے خُدا ہماری ضرور مدد کرے گا۔ امیرالمومنین نے کہا ہے کہ وہ ہمیں اپنے بہترین گھوڑے دیں گے۔"

(۳)

سلیمان بن عبدالملک نے ایک قدِ آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر زرہ پہنی اور خود سر پر رکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیوں صالح! میں عام لباس میں اچھّا معلوم ہوتا ہوں یا سپاہیانہ لباس میں؟"

صالح نے جواب دیا۔ "خدا نے آپ کو ایک ایسی صورت دی ہے جو ہر لباس میں اچھی لگتی ہے۔"

سلیمان آئینے کی طرف دیکھ کر مُسکرایا اور پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "مجھے اس لڑکے کی صورت پر رشک آ گیا تھا۔ وہ نمائش دیکھنے ضرور آئے گا۔ اگر تم میں سے کسی کو مل جائے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ ایک ہونہار سپاہی ہے اور میں اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔"

صالح نے ایسا محسوس کیا کہ سلیمان اس کی دُکھتی رگ پر نشتر چبھو رہا ہے۔ وہ بولا۔ "آپ مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں۔ اس وقت تلوار پر میرے ہاتھ کی گرفت مضبوط نہ تھی اور یہ بات میرے وہم میں بھی نہ تھی کہ وہ میری لاپرواہی سے فائدہ اٹھائے گا۔"

سلیمان نے کہا۔ "اپنے مدِّمقابل کو کمزور سمجھنے والا سپاہی ہمیشہ مات کھاتا ہے۔ خیر یہ تمھارے لیے اچھا سبق تھا۔ اچھا یہ بتاؤ! آج ہمارے مقابلے میں کوئی آئے گا یا نہیں؟"

صالح نے جواب دیا۔ "مجھے یہ توقع نہیں کہ کوئی آپ کے مقابلے کی جُرأت کرے گا۔ گزشتہ سال نیزہ بازی میں تمام نامور سپاہی آپ کے کمال کا اعتراف کر چکے ہیں۔"

"لیکن امیرالمومنین مجھُ سے خوش نہ تھے۔"

"اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ ان کے بھائی ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ آپ کی ناموری اور شہرت ان کے بیٹے کی ولی عہدی کے راستے میں رکاوٹ ہو گی۔ لیکن لوگوں کے دلوں میں جو جگہ آپ پیدا کر چکے ہیں وہ کسی اور کو خاطر

نہیں ہوسکتی۔“

سلیمان نے کہا۔ ”لیکن میری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حجاج بن یوسف ہے۔ وہ عراق پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے اس بات کی کوشش میں ہے کہ میرے بھائی کے بعد میرا بھتیجا مسندِ خلافت پر بیٹھے۔“

صالح نے کہا ”خدا میرے بھائی کے قاتل کو غارت کرے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی۔ لوگوں کے دلوں پر اثر ڈالنے کے لیے جو خوبیاں آپ میں ہیں، وہ نہ آپ کے بھائی میں ہیں نہ کسی اور میں۔ آپ گزشتہ سال فنونِ حرب کی نمائش میں نام پیدا کرکے اپنا راستہ صاف کرچکے ہیں۔ رائے عامہ خلافت کے معاملے میں آپ کی حق تلفی گوارا نہ کرے گی۔“

ایک غلام نے آکر اطلاع دی کہ گھوڑے تیار ہیں اور صالح نے کہا۔ ”ہمیں چلنا چاہیے۔ نمائش شروع ہونے والی ہے۔“

سپاہی اور شہزادہ

زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب تیراندازی شمشیر زنی اور شہسواری میں غیر معمولی مہارت حاصل کرنا اپنی زندگی کا اہم ترین فریضہ سمجھتے تھے۔ سرداری، عزت، شہرت اور ناموری کا سب سے بڑا معیار یہی تھا۔ صحرا نشینوں کی محفل میں سب سے بڑا شاعر اسے تسلیم کیا جاتا تھا جو تیروں کی سنسناہٹ اور تلواروں کی جھنکار کا بہترین تصور پیش کرسکتا ہو۔ جسے اپنے صبا رفتار گھوڑے کے سموں کی آواز کسی صحرائی دوشیزہ کے قہقہوں سے زیادہ متاثر کرتی ہو، جس کے لیے دور سے محبوبہ کے محمل اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے شاہسوار کی جھلک یکساں طور پر جاذبِ نگاہ ہو۔

اسلام نے عربوں کی انفرادی شجاعت کو صالحین کی ناقابلِ تسخیر قوت میں تبدیل کر دیا۔ روم و ایران کی جنگوں کے ساتھ ساتھ عربوں کے فنونِ حرب میں اضافہ ہوتا گیا۔ خالدؓ اعظم کے زمانے میں صف بندی اور نقل و حرکت کے پرانے طریقوں میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ عربوں میں زرہ پہننے کا رواج پہلے بھی تھا لیکن روم کی جنگوں کے دوران زرہیں اور خود سپاہیانہ لباس کے اہم ترین جزو بن

گئے۔

قلعہ بند شہروں کے طویل محاصروں کے دوران کسی ایسے آلے کی ضرورت محسوس کی گئی جو پتھر کی دیواروں کو توڑ سکتا ہو اور اس ضرورت کا احساس منجنیق کی ایجاد کا باعث ہوا۔ یہ ایک لکڑی کا آلہ تھا جس سے بھاری پتھر کافی دور پھینکے جا سکتے تھے۔ اس کی بدولت حملہ آور افواج قلعہ بند تیر اندازوں کی زد سے محفوظ ہو کر شہرِ پناہ پر پتھر برسا سکتی تھیں۔ اس کا تخیل کمان سے اخذ کیا گیا تھا۔ لیکن چند سالوں میں آلاتِ حرب کے ماہرین کی کوششوں نے اسے ایک نہایت اہم آلہ بنا دیا تھا۔

قلعہ بند شہروں کی تسخیر کے لیے دوسری چیز جسے عربوں نے بہت زیادہ رواج دیا، دبابہ تھی۔ یہ لکڑی کا ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ جس کے نیچے پہیے لگائے جاتے تھے۔ چند سپاہی لکڑی کے تختوں کی آڑ میں بیٹھ جاتے اور چند اسے دھکیل کر شہر کی فصیل کے ساتھ لگا دیتے۔ پیادہ سپاہی اس کی پناہ میں آگے بڑھتے اور اس سے سیڑھی کا کام لے کر فصیل پر جا چڑھتے۔

کھلے میدان میں پیادہ فوج کی طرح عرب سوار بھی ابتدا میں تلوار کو نیزے پر ترجیح دینے کے عادی تھے لیکن آہن پوش سپاہیوں کے مقابلے میں انھوں نے نیزے کی اہمیت کو زیادہ محسوس کیا اور چند سالوں میں عرب کے طول و عرض میں تیر اندازی اور تیغ زنی کی طرح نیزہ بازی کا رواج بھی عام ہو گیا۔ شام کے مسلمان روم کی قربت کی وجہ سے زیادہ متاثر تھے اور یہاں نیزہ بازی کو آہستہ آہستہ تیغ زنی پر ترجیح دی جانے لگی تھی۔

عرب گھوڑے اور سوار دنیا بھر میں مشہور تھے۔ اس لیے دوسرے فنون کی طرح نیزہ بازی میں بھی وہ ہمسایہ ممالک پر سبقت لے گئے۔

(۲)

دمشق کے باہر ایک کھُلے میدان میں قریباً ہر روز نیزہ بازی کی مشق کی جاتی تھی۔ نیزہ بازی میں یونان کا قدیم رواج مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔

ہمّت آزمائی کرنے والے زرہ پوش شاہسوار کچھ فاصلے پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو جاتے خطرہ سے بچنے کے لیے زرہ، خود اور چار آئینہ کے استعمال کے باوجود اصلی نیزوں کے علاوہ ایسے نیزے استعمال کیے جاتے جن کے پھل لوہے کے نہ ہوں اور اگلا سرا تیز ہونے کی بجائے کند ہو۔ ثالث درمیان میں جھنڈی لے کر کھڑا ہو جاتا اور اس کے اشارے پر یہ سوار گھوڑوں کو پوری رفتار سے دوڑاتے ہوئے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے۔ جو سوار اپنے مدِمقابل کی زد سے بچ کر اُسے ضرب لگانے میں کامیاب ہوتا وہ بازی جیت جاتا۔ مات کھانے والا سوار کند نیزے کے دباؤ کی وجہ سے اپنا توازن کھو کر گھوڑے سے گر پڑتا اور تماشائیوں کے لیے سامانِ تضحیک بن جاتا۔

اس سال حسبِ معمول فنونِ حرب کی نمائش میں حصّہ لینے کے لیے بہت سے لوگ دُور دُور سے آئے تھے۔ ایک وسیع میدان کے چاروں طرف تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ ولید بن عبدالملک ایک کرسی پر رونق افروز تھا۔ اس کے دائیں بائیں دربارِ خلافت کے بڑے بڑے عہدہ دار بیٹھے تھے۔ دوسری طرف تماشائیوں کی قطار کے آگے سلیمان بن عبدالملک اپنے چند عقیدت مندوں کے درمیان بیٹھا تھا۔

نمائش شروع ہوئی۔ اسلحہ جات کے ماہرین نے منجنیق اور دبابوں کے جدید نمونے پیش کر کے انعامات حاصل کیے۔ تیر اندازوں اور شمشیر زنی کے ماہرین نے اپنے اپنے کمالات دکھائے اور تماشائیوں سے داد و تحسین حاصل کی۔

سلیمان کے تین ساتھی تیر اندازی کے مقابلے میں شریک ہوئے اور اُن میں سے ایک دوسرے درجے کا بہترین تیر انداز مانا گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی صالح تلوار کے مقابلے میں یکے بعد دیگرے دمشق کے پانچ مشہور پہلوانوں کو نیچا دکھا کر اس بات کا منتظر تھا کہ امیرالمومنین اسے بُلا کر اپنے قریب کرسی دیں گے لیکن ایک نوجوان نے اچانک میدان میں آکر اسے مقابلے کی دعوت دی اور ایک طویل اور سخت مقابلے کے بعد اس کی تلوار چھین لی۔

یہ نوجوان زبیر تھا۔ تماشائی آگے بڑھ بڑھ کر صالح کو مغلوب کرنے والے نوجوان کی صورت دیکھنے اور اس سے مصافحہ کرنے میں گرم جوشی دکھا رہے تھے اور صالح غصّے اور ندامت کی حالت میں اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

ولید اُٹھ کر آگے بڑھا اور زبیر سے مصافحہ کرتے ہوئے اسے مبارکباد دی اور پھر صالح کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”صالح! تم اگر غصّے میں نہ آجاتے تو شاید مغلوب نہ ہوتے۔ بہر صورت میں اس نوجوان کی طرح تمھیں بھی انعام کا حقدار سمجھتا ہوں۔“

سب سے آخر میں نیزہ بازی شروع ہوئی۔ کئی مقابلوں کے بعد آٹھ بہترین نیزہ باز منتخب کئے گئے اور آخری مقابلہ شروع ہوا۔ جوں جوں مقابلہ کرنے والوں کی تعداد گھٹتی جاتی تھی۔ داد و تحسین میں گلا پھاڑنے والے تماشائیوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ بالآخر ایک طرف ایک اور دوسری طرف دو نیزہ باز رہ گئے۔ تنہا رہ جانے والے سوار نے یکے بعد دیگرے اپنے دونوں مخالفین کو گرا کر اپنا خود اُتارا اور عوام اسے پہچان کر زیادہ جوش و خروش کے ساتھ تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرنے لگے۔ یہ نوجوان ایک یونانی نومسلم تھا اور اس کا نام ایوب تھا۔ ایوب نے فاتحانہ انداز میں اپنا نیزہ

بلند کرتے ہوئے اکھاڑے میں چاروں طرف ایک چکّر لگایا اور اس کے بعد پھر میدان میں آکھڑا ہوا۔

نقیب نے آواز دی۔ ”کوئی ایسا ہے، جو اس نوجوان کے مقابلے میں آنا چاہتا ہے۔“

عوام کی نگاہیں سلیمان بن عبدالملک پر مرکوز ہو چکی تھیں۔ سلیمان نے سر پر خود رکھتے ہوئے اٹھ کر ایک حبشی غلام کو اشارہ کیا جو پاس ہی ایک خوبصورت مشکی گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ غلام نے گھوڑا آگے کیا اور سلیمان اس پر سوار ہو گیا۔ سورج کی روشنی میں سلیمان کی زرہ چمک رہی تھی اور ہلکی ہلکی ہوا میں اس کے خود کے اوپر سبز ریشم کے تاروں کا پھندنا لہرا رہا تھا۔

سلیمان اور ایوب ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے اور عوام دم بخود ہو کر ثالث کی جھنڈی کے اشارے کا انتظار کرنے لگے۔ ثالث نے جھنڈی ہلائی اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ صبا رفتار گھوڑے ایک دوسرے کی طرف بڑھے سواروں نے ایک دوسرے کے قریب پہنچ کر خود بچنے اور دوسرے کو ضرب لگانے کی کوشش کی۔ سلیمان مقابلے میں آنے سے پہلے اپنے مدِ مقابل کے تمام داؤں دیکھ کر ان سے بچنے کے طریقے سوچ چکا تھا۔ چنانچہ ایوب کا وار خالی گیا اور سلیمان کا نیزہ اس کے خود پر ایک کاری ضرب کا نشان چھوڑ گیا۔

ثالث نے سلیمان کی فتح کا اعلان کیا۔ ولید نے اٹھ کر اپنے بھائی کو مبارکباد دی اور ایوب کی حوصلہ افزائی کی۔

سلیمان نے خود اتار کر فاتحانہ انداز میں تماشائیوں کی طرف نگاہ دوڑائی۔ اور حسب معمول اکھاڑے کا چکر لگا کر پھر میدان میں آکھڑا ہوا۔

(۳)

نقیب نے تین بار آواز دی "کوئی ہے جس میں سلیمان بن عبدالملک کے مقابلے کی ہمّت ہے؟" لیکن لوگوں کو اس سے پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ اب کھیل ختم ہو چکا ہے اور وہ امیرالمومنین کے اٹھنے کا انتظار کر رہے تھے لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب سفید گھوڑے پر ایک سوار نیزہ ہاتھ میں لیے میدان میں آ کھڑا ہوا۔ تماشائیوں کو حیرانی اس بات پر نہ تھی کہ ایک نیزہ باز سلیمان بن عبدالملک کو مقابلے کی دعوت دے رہا تھا بلکہ وہ اس بات پر ششدر تھے کہ اجنبی سوار کے جسم پر زرہ نہ تھی اور نہ چار آئینہ۔ وہ سیاہ رنگ کا چست لباس پہنے ہوئے تھا۔ سر پر خود کی بجائے سفید عمامہ تھا اور آنکھوں کے سوا باقی چہرے پر سیاہ نقاب تھا۔

زرہ کے بغیر صرف وہ لوگ ایسے مقابلوں میں حصّہ لیتے ہیں جنھیں اپنے حریف کی کمتری کا پورا پورا یقین ہو لیکن سلیمان اس دن کا ہیرو تھا اور لوگ سلیمان کے مقابلے کے لیے زرہ اور خود کے بغیر میدان میں آنے والے سوار کی بہادری سے متاثر ہونے کی بجائے اس کی دماغی حالت کے صحیح ہونے میں شک کر رہے تھے۔

ولید اور زبیر کے سوا کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ کون ہے لیکن اس کی اس جُرأت پر ولید بھی پریشان تھا۔ اس نے آہستہ سے زبیر کے کان میں کہا "یہ محمدؒ بن قاسم ہے یا کوئی اور؟"

زبیر نے جواب دیا "امیرالمؤمنین! یہ وہی ہے۔"

"لیکن وہ سلیمان کو کیا سمجھتا ہے۔ اگر اس کی پسلیاں لوہے کی نہیں تو مجھے ڈر ہے کہ لکڑی کا کند سرا بھی اس کے لیے نیزے کی نوک سے کم خطرناک ثابت نہ

ہوگا۔ تم جاؤ اور اُسے بلا کر سمجھاؤ۔"

زبیر نے جواب دیا "امیرالمومنین! میں اُسے بہت سمجھا چکا ہوں۔ وہ خود بھی اس خطرے کو محسوس کرتا ہے لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ اس صورت میں اگر اس کی جیت ہوئی تو نوجوانوں پر اس کا خوش گوار اثر پڑے گا اور اُسے سندھ کے حالات سُنا کر انھیں جہاد کے لیے آمادہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ زرہ کے بغیر سوار زیادہ چست رہ سکتا ہے۔"

زبیر کا جواب ولید کو مطمئن نہ کر سکا۔ وہ خود اُٹھ کر محمدؒ بن قاسم کی طرف بڑھا۔ اور تماشائی زیادہ پریشانی کا اظہار کرنے لگے۔

محمدؒ بن قاسم سلیمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ولید نے قریب پہنچتے ہی آواز دے کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا "برخوردار! مجھے تمھاری شجاعت کا اعتراف ہے لیکن یہ شجاعت نہیں نادانی ہے۔ تم زرہ اور خود کے بغیر عرب کے بہترین نیزہ باز کے مقابلے میں جا رہے ہو اور اگر اس نے اسے اپنی تضحیک سمجھا تو مجھے ڈر ہے کہ تم دوبارہ گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل نہیں رہو گے۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا "امیرالمومنین! خدا جانتا ہے کہ مجھے اپنی نمائش مقصود نہیں۔ میں یہ خطرہ ایک نیک مقصد کے لیے قبول کر رہا ہوں اور یہ کوئی بہت بڑا خطرہ بھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ زرہ پہن کر سوار چست نہیں رہتا۔"

"لیکن اگر تمھاری چستی تمھاری پسلیاں نہ بچا سکی تو؟"

"تو بھی مجھے افسوس نہ ہوگا۔ مجھے اپنی پسلیوں سے زیادہ اس لڑکی کا خیال ہے جس کے سینے میں ہمارے بے رحم دشمن کے تیر کا زخم ناسُور بن چکا ہے۔ اگر خدا کو اس کی مدد منظور ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ آج مجھے دمشق کے لوگوں کے سامنے سامانِ تضحیک نہ بننے دے گا اور ممکن ہے میں بازی جیتنے کے بعد اس

ہجوم میں اس کا پیغام پڑھ کر سُنا سکوں، انفرادی تبلیغ سے جو کام ہم مہینوں میں کر سکتے ہیں وہ ایک آن میں ہو جائے گا۔ آپ مجھے اجازت دیجیے اور دُعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری مدد کرے۔"

ولید نے کہا۔" لیکن تم کم از کم سر پر خود تو رکھ لیتے۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔" آپ بُرا نہ مانیں۔ جو سپاہی نیزے کا وار سر پر روکتا ہے۔ اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں دی جا سکتی۔ میرے لیے یہ عمامہ کافی ہے۔"

ولید نے کہا۔" بیٹا! اگر آج تم سلیمان پر سبقت لے گئے تو ان شاء اللہ سندھ پر حملہ کرنے والی فوج کا جھنڈا تمھارے ہاتھ میں ہوگا۔"

ولید واپس مُڑا اور راستے میں نقیب کو کچھ سمجھانے کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

دوسری طرف سلیمان کے گرد چند تماشائی کھڑے تھے۔ صالح نے آگے بڑھ کر سلیمان کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔" امیرالمومنین آپ کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ آپ ہوشیاری سے کام لیں!"

سلیمان نے پوچھا۔" لیکن وہ سر پھرا ہے کون؟"

" مجھے معلوم نہیں لیکن وہ کوئی بھی ہو مجھے یقین ہے کہ وہ پھر گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا۔"

نقیب نے آواز دی۔" حاضرین! اب سلیمان بن عبدالملک اور محمدؒ بن قاسم کا مقابلہ ہوگا۔ سیاہ پوش نوجوان کی عمر سترہ سال سے کم ہے۔"

تماشائی اور زیادہ حیران ہو کر سیاہ پوش نوجوان کی طرف دیکھنے لگے۔

ثالث نے جھنڈی ہلائی اور نیزہ باز پوری رفتار سے ایک دوسرے کی زد سے بچ کر

کر نکل گئے اور عوام نے ایک پُر جوش نعرہ بلند کیا۔

کم سن اور نوجوان دیر تک محمدؒ بن قاسم کے لیے تحسین کے نعرے بلند کرتے رہے اور عمر رسیدہ لوگ یہ کہہ رہے تھے۔" یہ لڑکا بلا کا چست ہے لیکن سلیمان کے ساتھ اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ پہلی مرتبہ سلیمان نے جان بوجھ کر اس کی رعایت کی ہے لیکن دوسری دفعہ اگر وہ بچ گیا تو یہ ایک معجزہ ہوگا۔ کہاں سترہ سال کا چھوکرا اور کہاں سلیمان جیسا جہاندیدہ شہسوار!"

لیکن نوجوانوں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ سلیمان کی بجائے اب سترہ سالہ اجنبی ان کا ہیرو بن چکا تھا۔ وہ کسی کی زبان سے ایک حرف بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے بعض تماشائی تکرار سے ہاتھا پائی تک اُتر آئے۔

رواج کے مطابق نیزہ بازوں کو دوسرا موقع دیا گیا اور دونوں پھر ایک دوسرے کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ بچّے اور نوجوان بھاگ بھاگ کر اس طرف جا رہے تھے جس طرف ان کا کم سن ہیرو کھڑا تھا۔ سب کی نگاہیں نقاب میں چھُپے ہوئے چہرے کو دیکھنے کے لیے بے قرار تھیں۔ ثالث نے بھاگ کر لوگوں کو پیچھے ہٹایا اور پھر اپنی جگہ پر آ کھڑا ہوا۔ جھنڈی کے اشارے کے بعد تماشائیوں کو پھر ایک بار میدان میں گرد اُڑتی نظر آئی۔ تھوڑی دیر کے لیے پھر ایک بار سکوت چھا گیا۔

محمدؒ بن قاسم پھر اچانک ایک طرف جھک کر سلیمان کے نیزے کی ضرب سے بچ گیا۔ سلیمان نے بھی بائیں طرف جھک کر اپنے مدِّ مقابل کے وار سے بچنے کی کوشش کی لیکن اس سے کہیں زیادہ پھرتی کے ساتھ محمدؒ بن قاسم نے اپنے نیزے کا رُخ بدل دیا اور اس کی دائیں پسلی میں ضرب لگا کر اُسے اور زیادہ بائیں طرف دھکیل دیا۔ سلیمان لڑکھڑا کر نیچے گرنے کے بعد فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور

پسلی پر ہاتھ رکھ انتہائی بے چارگی کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

چاروں طرف سے فلک شگاف نعروں کی صدا آرہی تھی۔ محمدؒ بن قاسم نے تھوڑی دور جاکر اپنے گھوڑے کی باگ موڑ لی اور سلیمان کے قریب آکر نیچے اترتے ہوئے مصافحہ کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن سلیمان مصافحہ کرنے کی بجائے منہ پھیر کر تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا ایک طرف نکل گیا۔

آن کی آن میں تماشائی ہزاروں کی تعداد میں محمدؒ بن قاسم کے گرد جمع ہو گئے۔ یونانی شاہسوار ایوب نے آگے بڑھ کر محمدؒ بن قاسم کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا "میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اب اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو آپ چہرے سے نقاب اتار دیجیے! ہم سب کی آنکھیں آپ کی صورت دیکھنے کے لیے بیقرار ہیں۔"

(۴)

محمدؒ بن قاسم نے نقاب اتار ڈالا۔ کم سن شاہسوار کا چہرہ لوگوں کی توقع سے کہیں زیادہ متین اور سنجیدہ تھا۔ اس کی خوبصورت سیاہ آنکھوں سے شوخی کی بجائے معصومیت ٹپکتی تھی لوگوں کے نعروں اور پر اشتیاق نگاہوں کے جواب میں اس کا سکون یہ ظاہر کر رہا تھا۔ کہ اسے بڑی سے بڑی فتح بھی متاثر نہیں کر سکتی۔ جو نوجوان اسے کندھوں پر اُٹھا کر دمشق کی گلیوں میں اس کا شاندار جلوس نکالنے کے ارادے سے بڑھے تھے۔ دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایوّب نے اپنے ایک عرب دوست سے کہا "میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے یونان کے مجسموں میں بھی کوئی صورت بیک وقت اس قدر خوب صورت، معصوم، سادہ اور بارعب نہیں دیکھی۔"

ایک عرب نے پوچھا "آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "بصرہ سے۔"

اس پر کئی لوگ یہ اصرار کرنے لگے کہ آپ ہمارے ہاں ٹھہریے۔

محمدؒ بن قاسم نے سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "میں دمشق کے لوگوں کے پاس ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہوں، اور مجھے جلد واپس جانا ہے۔ اگر آپ سب خاموشی سے میرا پیغام سُن لیں تو یہ مجھ پر بڑی عنایت ہوگی"۔

لوگ اب بہت زیادہ تعداد میں محمد بن قاسم کے گرد جمع ہو رہے تھے ولید بن عبدالملک عہدیداروں کی جماعت کے ہمراہ آگے بڑھا۔ لوگ امیرالمومنین کو دیکھ کر اِدھر اُدھر ہٹ گئے ولید نے محمدؒ بن قاسم کے قریب پہنچ کر کہا۔ "میرے خیال میں یہ تمھارے لیے بہترین موقع ہے۔ تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ، تاکہ سب لوگ تمھاری صورت دیکھ سکیں۔"

محمدؒ بن قاسم گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ مجمع میں کانوں کان ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ کہ یہ سیاہ پوش نوجوان کوئی اہم خبر سنانا چاہتا ہے اور وہ لوگ جو اگلی قطاروں میں تھے، یکے بعد دیگرے زمین پر بیٹھ رہے تھے۔

محمدؒ بن قاسم نے مختصر الفاظ میں سراندیپ کی مسلمان بیواؤں اور یتیم بچوں کی المناک داستان بیان کی۔ اس کے بعد زبیر سے رومال لے کر ناہید کا مکتوب پڑھ کر سنایا۔ بیواؤں اور یتیم بچوں کی سرگزشت سننے کے بعد عوام کے دلوں پر ناہید کے مکتوب کے الفاظ تیر و نشتر کا کام کر رہے تھے۔ مکتوب سنانے کے بعد محمدؒ بن قاسم نے رومال زبیر کو واپس دیتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"فدایانِ اسلام! میں تم میں سے اکثر کی آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں۔ لیکن یاد رکھو! ستم رسیدہ انسانیت کے دامن پر ظلم کی سیاہی کے دھبّے آنسوؤں سے نہیں خون سے دھوئے جاتے ہیں۔ جبر و استبداد کی جو آگ سندھ کے وسیع ملک میں

سُلگ رہی ہے۔ ہم نے دُور سے اس کی ہلکی سی آنچ محسوس کی ہے، اور وہ اس لیے کہ ہمارے چند بھائی، چند مائیں اور چند بہنیں اس آتش کدہ میں جل رہی ہیں۔ لیکن ہمیں ان لاکھوں بے کسوں کا حال معلوم نہیں، جو مدّت سے سندھ کے استبدادی نظام کی زنجیروں میں جکڑے ہُوئے ہیں۔ یہ تیر جو ایک مسلمان لڑکی کے جسم میں پیوست ہُوا، اُن لاکھوں تیروں میں سے ایک تھا جن کی مشق سندھ کا مغرورؔ و جابر حکمران اپنی بے کس رعایا کے سینوں پر کرتا ہے۔ آج سندھ میں اگر ہماری بہنیں اور بھائی قید خانے کی تاریک کوٹھڑی میں مجاہدینِ اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپ سننے کے منتظر ہیں۔ آج اگر وہ اللہ اکبر کے ان نعروں کا انتظار کر رہے ہیں۔ جن میں اب بھی دیبل کے قلعے کی مضبوط دیواروں پر زلزلہ طاری کر دینے کی قوّت موجود ہے، تو مجھے یقین ہے کہ سندھ کے عوام جو برسوں سے ظلم و استبداد کی آگ میں جل رہے ہیں، افقِ مغرب سے رحمت کی اُن گھٹاؤں کے منتظر ہیں، جو آج سے کئی برس پہلے آتش کدۂ ایران کو ٹھنڈا کر چکی ہیں۔ ان کے مجروح سینوں سے یہ آواز نکل رہی ہے کہ اے کاش! وہ مجاہدین جنھوں نے اپنے خون سے باغِ آدم میں مساوات، عدل، انصاف اور امن کے پودے کی آبیاری کی ہے۔ سندھ کے حکمران کے ہاتھوں سے ظلم کی تلوار چھین لیں اور اُن کے گھوڑے ان خار دار جھاڑیوں کو مسل ڈالیں۔ جن کے ساتھ انسانیت اور آزادی کا دامن الجھا ہوا ہے۔

مسلمانو! یہ خبر ہمارے لیے بُری بھی ہے اور اچھی بھی۔ بُری اس لیے کہ ہمیں اپنے بھائیوں اور بہنوں کا حال سن کر دکھ ہوا اور اچھی اس لیے کہ حق و صداقت کی تلوار کے سامنے قیصر و کسریٰ کی طرح ایک اور مغرور سر اٹھا ہے۔ آؤ اُسے بتا دیں کہ ہماری تلواریں کند نہیں ہوئیں۔

گذشتہ چند برسوں میں ہمارے اندرونی خلفشار نے ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے۔ وہ سلطنتیں جو ہمارے آباؤ اجداد کے نام سے تھرّاتی تھیں، آج ہمارے خلاف اعلانِ جنگ کر رہی ہیں۔ ایک مظلوم لڑکی کا یہ خط اگر تمھاری رگوں میں حرارت پیدا نہ کر سکا تو یاد رکھو! روئے زمین پر ہماری عظمت اور عروج کے دن گِنے جا چکے ہیں لیکن میں مایُوس نہیں، میں تم میں سے کسی کے چہرے پر مایوسی نہیں دیکھتا۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ ایک شجاع قوم غفلت کی نیند سو رہی ہے اور اس قوم کی ایک غیور بیٹی بلند آواز میں یہ کہہ رہی ہے کہ اسلام کے غیور بیٹو! تم تو روئے زمین کی ہر بہو بیٹی کی عصمت کی حفاظت کے لیے پیدا ہوئے تھے اور آج تمھاری یہ حالت کہ تمھاری اپنی بہو بیٹیوں کو پابہ زنجیر برہمن آباد کے بازاروں میں کھینچا جا رہا ہے۔“

عوام جذبات سے مغلوب ہو کر ولید بن عبدالملک کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک معمر شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”اگر ہم سے پہلے یہ خبر امیر المومنین تک پہنچ چکی ہے تو ہم حیران ہیں کہ انھوں نے ابھی تک سندھ کے خلاف اعلانِ جہاد کیوں نہیں کیا۔“ ہجوم آتش فشاں پہاڑ کی طرح بھرا بیٹھا تھا۔ چاروں طرف ”جہاد، جہاد“ کے فلک شگاف نعرے گونجنے لگے۔ محمدؒ بن قاسم نے دونوں ہاتھ بلند

کرتے ہوئے لوگوں کو خاموش کیا اور پھر اپنی تقریر شروع کی :-

” میرے مخاطب وہ لوگ نہیں جو ایک ہنگامی جوش کے باعث چند نعرے لگا کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ زندہ قومیں نعرے بلند کرنے سے پہلے اپنی تلواریں بے نیام کر کے میدان میں کود ی ہیں تم دمشق میں چند نعرے لگا کر ان نگاہوں کی تشفی نہیں کر سکتے جو یہاں سے ہزاروں میل دور تمھاری تلواروں کی چمک دیکھنے کے لیے بے قرار ہیں۔ امیرالمومنین کو اپنی ذمّہ داری کا احساس ہے لیکن انھوں نے ابھی تک تمھارے نعرے سُنے نہیں ہیں۔ کاش! ان نعروں کے ساتھ وہ تلواریں بھی نیام سے باہر آنے کے لیے بیقرار ہوتیں، جن کی نوک کے ساتھ تمھارے آباؤ اجداد سطوتِ اسلام کی داستان لکھ گئے ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ قادسیہ اور اجنادین کے مجاہدوں کی اولاد میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہے یا نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ ہماری تمام افواج ترکستان اور افریقہ کے میدانوں میں مصروفِ جہاد ہیں لیکن تم میں سے کون ایسا ہے جو تلوار کا استعمال نہیں جانتا؟ اگر ہمت کریں تو ہم سندھ کے میدانوں میں یرموک اور دمشق کی یاد پھر زندہ کر سکتے ہیں۔

آج تم کو اپنے آباؤ اجداد کی طرح یہ ثابت کرنا ہے، کہ ضرورت کے وقت ہر مسلمان سپاہی بن سکتا ہے۔ اب تمھاری تلواریں دیکھ کر میں امیرالمومنین سے اعلانِ جہاد کی درخواست کرتا ہوں۔“

محمدؒ بن قاسم گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اس کی تقریر کے اختتام تک کئی بوڑھے اور نوجوان تلواریں بلند کر چکے تھے۔ ایک دس سال کا لڑکا سخت جدوجہد کے بعد

لوگوں کو اِدھر اُدھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا اور ولید کے قریب جا کر بولا۔” امیرالمومنین! کیا مجھے بھی جہاد پر جانے کی اجازت ہوگی؟ مجھے معلوم نہ تھا۔ ورنہ میں تلوار لے کر آتا لیکن میں ابھی لے آتا ہوں۔ آپ انھیں تھوڑی دیر روکیں۔“

ولید نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔” تمھیں ابھی چند سال اور انتظار کرنا پڑے گا۔“

لڑکا دل برداشتہ ہو کر محمدؒ بن قاسم کے قریب آ کھڑا ہوا، ولید کے اشارے پر ایک شخص ایک کُرسی اٹھا لایا اور اس نے کُرسی پر کھڑے ہو کر کہا۔” اس نوجوان کی تقریر کے بعد مجھے کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ تمھاری غیرت زندہ ہے۔ میں سندھ کے خلاف اعلانِ جہاد کرتا ہوں۔“

ہجوم نے پھر ایک بار نعرے بلند کیے۔ ولید نے سِلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔” میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر دمشق کی فوج بصرہ روانہ ہو جائے۔ وہاں اگر محمدؒ بن قاسم جیسے چند اور نوجوان موجود ہیں تو مجھے یقین ہے کہ کوفہ اور بصرہ سے بھی سپاہیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جمع ہو جائے گی۔ آپ میں سے جن لوگوں کے پاس گھوڑے نہیں۔ ان کے لیے گھوڑوں اور جن کے پاس اسلحہ جات نہیں، ان کے لیے اسلحہ جات کا انتظام کیا جائے گا۔ میں جو اہم ترین خبر آپ کو سُنانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ محمدؒ بن قاسم کو سندھ پر حملہ کرنے والی افواج کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ میں نے اس ہونہار مجاہد کے لیے عمادالدّین کا لقب تجویز کیا ہے۔ آپ دُعا کریں کہ یہ صحیح معنوں میں عمادالدّین ثابت ہو۔“

(۵)

رات کے تیسرے پہر محمدؒ بن قاسم دمشق کی جامع مسجد میں نمازِ تہجّد ادا

کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر انتہائی سوز و گداز کے ساتھ یہ دعا کر رہا تھا۔ "یارب العالمین! میرے نحیف کندھوں پر ایک بھاری بوجھ آپڑا ہے، مجھے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی توفیق دے! اور میرا ساتھ دینے والوں کو اُن کے آباؤ اجداد کا عزم اور استقلال عطا فرما! حشر کے دن فدایانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت کے سامنے میری نگاہیں شرمسار نہ ہوں۔ مجھے خالدؓ کا عزم اور مثنیٰؓ کا ایثار عطا کر! میری زندگی کا ہر لمحہ تیرے دین کی سربلندی کے لیے وقف ہو۔"

اس دعا کے اختتام پر زبیر کے علاوہ ایک اور شخص نے بھی جو محمدؒ بن قاسم کے دائیں ہاتھ بیٹھا ہوا تھا۔ آمین! کہی' اور یہ دونوں اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اُس کے سادہ لباس اور نورانی صورت میں غیر معمولی جاذبیت تھی۔ وہ کھسک کر محمدؒ بن قاسم کے قریب ہو بیٹھا اور اس کی طرف محبت اور پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم محمدؒ بن قاسم ہو؟"

"جی ہاں! اور آپ؟"

"میں عمرؒ بن عبدالعزیز ہوں۔"

محمدؒ بن قاسم عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی اور پاکیزگی کے متعلق بہت کچھ سُن چکا تھا۔ اس نے عقیدت مندانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ میرے لیے دُعا کریں!"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "خدا تمھارے نیک ارادے پورے کرے!"

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "ایک مدّت سے میرا ارادہ تھا کہ آپ کے نیاز حاصل کروں۔ آج آپ کی ملاقات کو تائیدِ غیبی سمجھتا ہوں۔ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں!"

عمرؒ بن عبدالعزیز نے کہا۔ "میں تمھیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمھارے جیسے بہادر اور ہونہار سپہ سالار کی قیادت میں انشاءاللہ دشمن کے خلاف تلوار کی مہم جلد ختم ہو جائے گی لیکن اگر تم سندھ میں جہاد کا صحیح جذبہ لے کر جا رہے ہو تو تمھیں وہاں اپنے اخلاق اور کردار سے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ تم سندھ کے لوگوں کو غلام بنانے کے لیے نہیں بلکہ انھیں نظامِ باطل کی زنجیروں سے آزاد کر کے سلامتی کا راستہ دکھانے کے لیے آئے ہو۔ تم کو انھیں یہ بتانا ہے کہ دائرۂ توحید میں قدم رکھنے والا ہر انسان دنیا کی غلامی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ تم ایک ایسے ملک میں جا رہے ہو۔ جس میں نیچ ذات کے لوگ اپنے اوپر اُونچی ذات والوں کے جبر و اختیار کا پیدائشی حق تسلیم کرتے ہیں۔ سندھ کے استبدادی نظام کی جڑیں کٹ جانے کے بعد اگر تم لوگوں کے سامنے اسلامی مساوات کا صحیح نقشہ پیش کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ تم ان کے قلوب پر بھی فتح پا سکو گے، جو آج تمھارے دشمن ہیں کل تمھارے دوست ہو جائیں گے۔

مسلمان بیواؤں اور یتیموں پر سندھ کے حکمران کے مظالم کی داستان سن کر بعض نوجوان صرف جذبۂ انتقام کے تحت تمھارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے ہیں لیکن ان میں سے کسی کو گرے ہوئے دشمن پر وار کرنے کی اجازت نہ دینا! خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ظالم کے ہاتھ سے اس کی تلوار چھین لو! لیکن اس پر ظلم نہ کرو! بلکہ اگر وہ تائب ہو جائے تو اس کی خطا معاف کر دو! اگر وہ دینِ الٰہی قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اُسے سینے سے لگا لو! اگر وہ زخموں سے نڈھال ہو کر تم سے پناہ مانگے تو تم اس کے زخموں پر مرہم رکھو! ہمارے یتیموں اور بیواؤں پر ظلم ہوا ہے لیکن تم ان کے یتیموں اور بیواؤں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھو! اور یہ یاد رکھو! کہ خدا ہمسایہ ممالک پر

عرب قوم کا سیاسی تفوق نہیں چاہتا، بلکہ کفر کے مقابلے میں اپنے دین کی فتح چاہتا ہے اور یہ کام اگر عربوں کے ہاتھوں پورا ہو تو وہ دُنیا میں بھی فلاح پائیں گے اور ان کی آخرت بھی اچھی ہوگی۔“

نمازِ صبح کی اذان سُن کر عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنی تقریر ختم کی۔ نماز کے بعد محمدؒ بن قاسم نے ان سے رخصت ہوتے وقت کہا۔ ”مجھے یہاں سے روانہ ہونے میں پانچ دن اور لگ جائیں گے۔ اس عرصے میں میں آپ کے علم و فضل سے اور زیادہ مستفید ہونا اپنی خوش بختی خیال کروں گا لیکن دن کا بیشتر حصّہ مجھے نئے سپاہیوں کو تربیت دینے میں صرف کرنا پڑے گا۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو رات کو کسی وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کروں؟“

عمرؒ بن عبدالعزیز نے جواب دیا۔ ”تم جس وقت چاہو میرے پاس آ سکتے ہو۔ خاص طور پر اس وقت تم ہر روز مجھے یہاں پاؤ گے۔ آٹھ دس دن کے بعد میں بھی مدینہ چلا جاؤں گا۔“

محمدؒ بن قاسم، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے رخصت ہو کر مسجد سے باہر نکلا، تو نوجوانوں کی ایک خاصی جماعت اس کے آگے اور پیچھے تھی۔ دروازے کی سیڑھیوں پر پہنچ کر اس نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ سب میدان میں پہنچ جائیں، میں بھی تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا۔“

(۶)

محمدؒ بن قاسم کی قیام گاہ کے دروازے پر دو سپاہی گھوڑے لیے کھڑے تھے۔ محمدؒ اور زبیر نے گھوڑوں پر سوار ہو کر سپاہیوں کے ہاتھوں سے نیزے لے لیے اور گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ شہر کے مغربی دروازے سے باہر نکلنے کے بعد وہ سرسبز باغات سے گزرتے ہوئے ایک ندی کے کنارے آ کر رُکے اور گھوڑوں سے اتر کر پانی میں کود پڑے۔ ندی کے صاف اور شفاف پانی میں تھوڑی دیر تیرنے اور غوطے لگانے کے بعد کپڑے بدل کر وہ کچھ دیر اپنے سامنے دل کش اور سرسبز پہاڑوں کا منظر دیکھتے رہے۔ محمدؒ بن قاسم نے اپنے ساتھی کو محویت کی حالت میں دیکھ کر کہا۔ ”کل ہم بہت سویرے یہاں آئیں گے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔“

زبیر نے چونک کر محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھا۔ ”کیا کہا آپ نے؟“

”ہمیں دیر ہو رہی ہے۔“

”چلیے!“

دونوں پھر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ محمدؒ بن قاسم نے پوچھا۔ ”تم ابھی کیا سوچ رہے تھے؟“

زبیر نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ ”میں تصور میں سراندیپ کے سبزہ زار دیکھ رہا تھا۔“

”لیکن ہماری منزلِ مقصود تو سندھ کے ریگستان ہیں؟“

”انھیں میں ہر وقت دیکھتا ہوں لیکن کبھی کبھی سراندیپ کے سبزہ زار بھی یاد آ جاتے ہیں۔“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”کل تم خواب کی حالت میں ناہید کو آوازیں دے رہے تھے میں نے اس کا ذکر مناسب نہ سمجھا۔ اب اگر بُرا نہ مانو تو میں پوچھتا ہوں کہ خواب میں تم نے کیا دیکھا تھا؟“

زبیر نے اپنے چہرے پر ایک اُداس مُسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے خواب دیکھا تھا کہ دیبل کے چند سپاہی میرے چاروں طرف ننگی تلواریں لیے

کھڑے ہیں اور کچھ ناہید کو پکڑ کر قید خانے کی طرف لے جا رہے ہیں اور میں بھاگ کر اسے چھڑانا چاہتا ہوں۔"

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ناہید کی یاد کا آپ کے دل و دماغ پر گہرا اثر ہے۔"

"میں اس سے انکار نہیں کرتا۔ جن حالات میں ہم ایک دوسرے سے ملے اور بچھڑے ہیں، ان حالات میں شاید کوئی بھی اس بہادر اور غیور لڑکی کو اپنے دل میں جگہ دینے سے انکار نہ کرتا۔"

ایک ہرن بھاگتا ہوا قریب سے گزر گیا۔ محمدؒ بن قاسم نے نیزہ سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اس کی پچھلی ٹانگ زخمی ہے۔ کسی اچھے تیر انداز نے اس پر وار کیا ہے۔ آؤ اس کا تعاقب کریں۔"

زبیر اور محمدؒ نے ہرن کے پیچھے گھوڑے سرپٹ چھوڑ دیے۔ زخمی ہرن زیادہ دور نہ جا سکا اور محمدؒ بن قاسم کے نیزے کی ایک ہی ضرب کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ زبیر نے گھوڑے سے اتر کر اُسے ذبح کیا اور پچھلی ران سے تیر نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم اسے نہ دیکھتے تو یہ کسی جھاڑی میں بُری طرح جان دے دیتا۔"

چند سوار درختوں کی آڑ سے نمودار ہوئے اور محمدؒ بن قاسم نے اُن میں سے سلیمان کو پہچانتے ہوئے کہا۔ "ارے! یہ تو ہمارے پرانے دوست ہیں۔"

سلیمان نے قریب پہنچ کر اپنے گھوڑے کی باگ کھینچی اور کہا۔ "یہ شکار ہمارا ہے۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "آپ لے سکتے ہیں۔ ہم نے اُسے صرف ایک تکلیف دہ موت سے نجات دی ہے۔ اس کی ٹانگ زخمی تھی اور ہمارا خیال تھا کہ یہ جھاڑیوں میں چھُپ جائے گا۔"

صالح نے کہا۔ "تم غلط کہتے ہو۔ تم نے گرتے ہوئے ہرن کو ذبح کیا ہے۔"

محمدؒ بن قاسم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "یہ صحیح ہے ہرن گر پڑا تھا لیکن میرے نیزے کی ضرب سے، اور اگر تیر آپ نے چلایا تھا تو آپ اس کی ٹانگ دیکھ سکتے ہیں۔"

صالح نے غضب ناک ہو کر تلوار نکالی لیکن سلیمان نے سختی سے کہا۔ "تم ان دونوں کے جوہر دیکھ چکے ہو۔ تمھیں اپنی تیر اندازی کے متعلق غلط فہمی تھی۔ آج وہ بھی رفع ہو گئی۔" یہ کہہ کر وہ محمدؒ بن قاسم سے مخاطب ہوا۔ "میرا یہ دوست جس قدر جوشیلا ہے اسی قدر کم عقل ہے۔ آپ کو ضرورت ہو تو آپ یہ شکار لے جا سکتے ہیں۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "نہیں، شکریہ! اگر مجھے ضرورت ہوتی تو میں خود شکار کر لیتا۔"

یہ کہہ کر اس نے زبیر کی طرف اشارہ کیا اور دونوں نے باگیں موڑ کر اپنے گھوڑے سرپٹ چھوڑ دیے۔

پہلی فتح

صبح کی نماز کے بعد دمشق کے لوگ بازاروں اور مکانوں کی چھتوں پر کھڑے محمدؒ بن قاسم کی فوج کا جلوس دیکھ رہے تھے۔ دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک دُور اُفتادہ ملک پر حملہ کرنے والی فوج کی قیادت ایک سترہ سالہ نوجوان کے سپرد تھی۔ دمشق سے لے کر بصرہ تک راستے کے ہر شہر اور بستی سے کئی کم سن لڑکے، نوجوان اور بوڑھے اس فوج میں شامل ہوئے۔ کوفہ اور بصرہ میں محمدؒ بن قاسم کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی اور نوجوان عورتیں اپنے شوہروں، مائیں اپنے بیٹوں اور لڑکیاں اپنے بھائیوں کو نوجوان سالار کا ساتھ دینے کے لیے تیار رہنے پر آمادہ کر رہی تھیں۔ غیور قوم کی ایک بے کس بیٹی کی فریاد بصرہ اور کوفہ کے ہر گھر میں پہنچ چکی تھی۔ بصرہ کی عورتوں میں زبیدہ کی تبلیغ کے باعث یہ جذبہ پیدا ہو چکا تھا کہ ناہید کا مسئلہ قوم کی ہر بہو بیٹی کا مسئلہ ہے۔ نوجوان لڑکیاں مختلف محلوں اور کوچوں سے زبیدہ کے گھر آتیں اور اس کی تقاریر سے ایک نیا جذبہ لے کر واپس جاتیں۔ خرابیٔ صحت کے باوجود محمدؒ بن قاسم کی والدہ بصرہ کی معمر عورتوں کی ایک ٹولی کے ساتھ جہاد کی تبلیغ کے لیے ہر محلّہ

کی عورتوں کے پاس پہنچتی۔ زبیدہ نے چند نئے سپاہیوں کو گھوڑے اور اسلحہ جات بہم پہنچانے کے لیے اپنے تمام زیورات بیچ ڈالے بصرہ کے تمام امیر و غریب گھرانوں کی لڑکیوں نے اس کی تقلید کی اور مجاہدین کی اعانت کے لیے بصرہ کے بیت المال کو چند دنوں میں سونے اور چاندی سے بھر دیا۔ عراق کے دوسرے شہروں کی خواتین نے اس کارِ خیر میں بصرہ کی عورتوں سے پیچھے رہنا گوارا نہ کیا اور وہاں بھی لاکھوں روپے جمع ہو گئے۔

محمدؒ بن قاسم نے بصرہ میں تین دن قیام کیا۔ اس کی آمد سے پہلے بصرہ میں حجاج بن یوسف کے پاس مکران کے گورنر محمد بن ہارون کا یہ پیغام پہنچ چکا تھا کہ عبیدُ اللہ کی قیادت میں بیس آدمیوں کا جو وفد دیبل بھیجا گیا تھا اس میں سے صرف دو نوجوان جان بچا کر مکران پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ باقی تمام دیبل کے گورنر نے قتل کر دیے ہیں۔ اس خبر نے بصرہ کے عوام میں انتقام کی سُلگتی ہوئی آگ پر تیل کا کام دیا۔

دمشق سے روانگی کے وقت محمدؒ بن قاسم کی فوج کی تعداد کل پانچ ہزار تھی لیکن جب وہ بصرہ سے روانہ ہوا تو اس کے لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی۔ جن میں سے چھ ہزار سپاہی گھُڑ سوار تھے۔ تین ہزار پیدل اور تین ہزار سامانِ رسد کے اونٹوں کے ساتھ تھے۔

(۲)

محمدؒ بن قاسم شیراز سے ہوتا ہوا مکران پہنچا۔ مکران کی سرحد عبور کرنے کے بعد لس بیلا کے پہاڑی علاقے میں اُسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا بھیم سنگھ بیس ہزار فوج کے ساتھ لس بیلا کے سندھی گورنر کی اعانت کے لیے

پہنچ چکا تھا۔ اُس نے ایک مضبوط پہاڑی قلعے کو اپنا مرکز بنا کر تمام راستوں پر اپنے تیر انداز بٹھا دیے۔ اپنے باپ کی مخالفت کے باوجود وہ راجہ کو اس بات کا یقین دلا چکا تھا، کہ اُس کے بیس ہزار سپاہی بارہ ہزار مسلمانوں کو لس بیلا سے آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔"

مسلمانوں کے پہاڑی علاقے میں داخل ہوتے ہی بھیم سنگھ کے سپاہیوں نے اکّا دکّا حملے شروع کر دیے۔ تیس چالیس سپاہیوں کا گروہ اچانک کسی ٹیلے یا پہاڑی کی چوٹی پہ نمودار ہوتا اور آن کی آن میں محمدؒ بن قاسم کی فوج کے کسی حِصّے پر تیر اور پتھر برسا کر غائب ہو جاتا۔ گھوڑوں کے سوار اِدھر اُدھر ہٹ کر اپنا بچاؤ کر لیتے۔ لیکن شتر سوار دستوں کے لیے یہ حملے بڑی حد تک پریشان کُن ثابت ہوئے۔ بعض اوقات بدک کر اِدھر اُدھر بھاگنے والے اونٹوں کو منظم کرنا حملہ کرنے والوں کے تعاقب سے زیادہ مشکل ہو جاتا۔

محمدؒ بن قاسم نے یہ دیکھ کر ہراول کے پیادہ دستوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ لیکن حملہ آوروں کی ایک جماعت آگے سے کترا کر بھاگتی اور دوسری جماعت پیچھے سے حملہ کر دیتی، ایک گروہ کسی ٹیلے پر چڑھ کر لشکر کے دائیں بازو کو اپنی طرف متوجّہ کرتا، اور دوسرا بائیں بازو پر حملہ کر دیتا۔ جُوں جُوں محمدؒ بن قاسم کی فوج آگے بڑھتی گئی، ان حملوں کی شدّت میں اضافہ ہوتا گیا۔ رات کے وقت پڑاؤ ڈالنے کے بعد شب خون کے ڈر سے کم از کم ایک چوتھائی فوج کو آس پاس کے ٹیلوں پر قابض ہو کر پہرہ دینا پڑتا۔

ایک شام محمدؒ بن قاسم کو ایک جاسوس نے اطلاع دی، کہ شمال کی طرف بیس کوس کے فاصلے پہ ایک مضبوط قلعہ اس لشکر کا مستقر ہے۔ محمدؒ بن قاسم نے اپنے تجربہ کار سالاروں کی ایک مجلسِ شوریٰ بلائی۔ بعض سالاروں کی یہ صلاح تھی کہ اس راستے کو چھوڑ کر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ نسبتاً ہموار راستہ اختیار کیا جائے۔ ہم اس قلعے سے جس قدر دور ہوں گے اسی قدر ان حملوں سے محفوظ رہیں گے، لیکن محمدؒ بن قاسم ان سے متفق نہ ہوا۔ اس نے کہا۔

"جب تک یہ علاقہ دشمن سے پاک نہیں ہوتا۔ ہمارا آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہیں۔ ہمارا مقصد دیبل تک پہنچنا نہیں۔ سندھ کو فتح کرنا ہے اور یہ قلعہ ان کے دفاع کی اہم چوکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس قلعہ کے فتح ہو جانے کے بعد دشمن یہ تمام علاقہ خالی کرنے پر مجبور ہو جائے گا اور دشمن کے جو سپاہی یہاں سے فرار ہوں گے۔ وہ دیبل پہنچ کر ایک شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کریں گے، لیکن اگر ہم یہاں سے کترا کر نکل گئے تو ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور ہمارا عقب ہمیشہ غیر محفوظ رہے گا۔ ہمارا پہلا مقصد اس قلعے کو فتح کرنا ہے اس قلعے کی فتح کے بعد اگر پہاڑیوں میں پھیلے ہوئے لشکر کی تعداد کافی ہوئی تو وہ اس علاقے میں ہمارے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کی کوشش کرے گا اور اس میں بھی ہماری بہتری ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری پیشقدمی روکنے کے لیے اس قلعے کے محافظوں کی زیادہ تعداد آس پاس کی پہاڑیوں پر منقسم ہے۔ میں آج سورج نکلنے سے پہلے اس قلعے پر حملہ کرنا چاہتا ہوں اور اس مقصد کے لیے میں اپنے ساتھ فقط پانچ سو پیادہ سپاہی لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ باقی فوج کے ساتھ رات بھر پیشقدمی جاری رکھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ چاروں اطراف کا خیال چھوڑ کر آپ کا راستہ روکنے کی فکر کریں گے۔ چاندنی رات میں آپ کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔ اگر صبح تک آپ کو قلعہ فتح ہو جانے کی خبر پہنچ جائے، تو آپ پیش قدمی روک کر میرے احکام کا انتظار کریں۔ اگر قلعہ فتح ہو جانے کے بعد دشمن نے کسی جگہ منظم ہو کر مقابلے کی ہمّت کی۔ تو میں قلعے کی حفاظت کے لیے

چند آدمی چھوڑ کر آپ کے ساتھ آملوں گا۔ اور اگر انھوں نے قلعے کو دوبارہ فتح کرنا چاہا تو آپ وہاں پہنچ جائیں۔“

ایک بوڑھے سالار نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ سندھ کی فتح کے لیے خدا نے آپ کو منتخب کیا ہے۔ انشاءاللہ آپ کی کوئی تدبیر غلط نہ ہوگی لیکن سپہ سالار کا فوج کے ساتھ رہنا ہی مناسب ہے۔ سپہ سالار کی جان بہت قیمتی ہوتی ہے۔ وہ فوج کا آخری سہارا ہوتا ہے۔ اگر اس خطرناک مہم میں آپ کو کوئی حادثہ پیش آگیا تو۔“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”قادسیہ کی جنگ میں ایرانیوں کو اپنے زبردست لشکر کے باوجود اس لیے شکست ہوئی کہ انھوں نے اپنی طاقت سے زیادہ رستم کی شخصیت سے امیدیں وابستہ کیں رستم مارا گیا تو وہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کے مقابلے سے بھاگ نکلے، لیکن اس کے برعکس مسلمانوں کے سپہ سالار سعدؓ بن وقاص گھوڑے پر چڑھنے کے قابل نہ تھے اور انھیں میدان سے الگ ایک طرف بیٹھنا پڑا۔ لیکن مسلمانوں کی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ انھیں اپنے سپہ سالار کی عدم موجودگی کا احساس تک بھی نہ تھا۔ ہماری تاریخ میں آپ کو کوئی ایسا واقعہ نہیں ملے گا، جب سالار کی شہادت سے بددل ہو کر مجاہدوں نے ہتھیار ڈال دیے ہوں۔ ہم بادشاہوں اور سالاروں کے لیے نہیں لڑتے۔ ہم خدا کے لیے لڑتے ہیں۔ بادشاہوں اور سالاروں پر بھروسہ کرنے والے ان کی موت کے بعد مایوس ہو سکتے ہیں، لیکن ہمارا خدا ہر وقت موجود ہے۔ قرآن میں ہمارے لیے اس کے احکام موجود ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا مجھے قوم کے لیے رستم نہ بنائے بلکہ مجھے مثنیٰؓ بننے کی توفیق دے۔ جن کی شہادت نے ہر مسلمان کو جذبۂ شہادت سے سرشار کر دیا تھا۔ میرے لیے اس سپہ سالار کی جان کی کوئی قیمت نہیں جو اُسے

اپنے سپاہیوں کی تلواروں کے پہرے میں چھپا کر رکھتا ہے اور اپنے بہادروں کو جان کی بازی لگانے کی بجائے جان بچانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اگر اس قلعہ کو فتح کرنا اس قدر اہم نہ ہوتا تو میں یہ مہم شاید کسی اور کے سپرد کر دیتا لیکن اس مہم کا خطرہ اور اس کی اہمیت دونوں اس بات کے متقاضی ہیں کہ میں خود اس کی رہنمائی کروں۔“

زبیر نے کہا۔ ”میں آپ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”نہیں! میں ایک قلعہ فتح کرنے کے لیے دو دماغوں کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میری غیر حاضری میں تمھارا فوج کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ میں اپنی جگہ محمد بن ہارون کو مقرر کرتا ہوں اور تم اس کے نائب ہو۔“

(۳)

عشاء کی نماز کے بعد محمدؒ بن قاسم نے پانچ سو نوجوان اس مہم کے لیے منتخب کیے اور ان کے گھوڑے باقی لشکر کے حوالے کر کے محمد بن ہارون کو پیش قدمی کا حکم دیا اور خود اپنے جان نثاروں کے ساتھ ایک پہاڑی کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

آدھی رات کے وقت چاند روپوش ہو گیا اور محمدؒ بن قاسم نے قلعے کا رخ کیا۔ راستے کی تمام پہاڑیوں کے محافظ محمد بن ہارون کی پیش قدمی کو تمام لشکر کی پیشقدمی سمجھ کر اپنی چوکیاں خالی کر کے مشرق کی طرف جا چکے تھے۔ سندھی سواروں نے قلعہ میں بھیم سنگھ کو مشرق کی طرف مسلمانوں کی غیر متوقع پیش قدمی سے باخبر کر دیا تھا اور وہ تین سو سپاہی قلعے کے اندر چھوڑ کر مسلمانوں کے لشکر کی راہ روکنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ تیسرے پہر محمدؒ بن قاسم قلعے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی

پر پہنچ چکا تھا۔ دور چٹانوں میں بھیم سنگھ کے سواروں کے گھوڑوں کی آواز گونجی اور محمدؒ بن قاسم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "وہ قلعہ خالی کر کے جا رہے ہیں۔ ہمیں جلدی کرنی چاہیئے، لیکن قلعے کے اندر حفاظت کے لیے تھوڑی بہت فوج ضرور موجود ہوگی۔ اس لیے تمھاری طرف سے کوئی شور نہ ہو۔ تمھاری طرف سے ذرا سی آہٹ قلعہ کے محافظوں کو باخبر کر دے گی اور اگر ان کی تعداد چالیس بھی ہوئی تو بھی وہ ہمیں کافی دیر تک قلعے سے باہر روک سکیں گے۔"

یہ ہدایات دینے کے بعد محمد بن قاسم نے اپنے جانبازوں کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کیا اور قلعے کی طرف پیشقدمی کی۔

قلعے کے قریب پہنچ کر یہ فوج آس پاس کے ٹیلوں میں چھپ کر بیٹھ گئی۔ فصیل پر پہرہ داروں کی آوازوں میں تھکاوٹ اور نیند کی جھلک تھی اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ بولنے کی بجائے بڑبڑا رہے ہیں۔ محمدؒ بن قاسم اپنے ساتھ دس نوجوان لے کر فصیل کے ایک نسبتاً پرسکون حصے کی طرف بڑھا اور کمند ڈال کر اوپر چڑھنے کے بعد رسیوں کی سیڑھی پھینک دی۔ اس جگہ دو پہریدار گہری نیند سو رہے تھے۔ آن کی آن میں محمدؒ بن قاسم کے چھ ساتھی فصیل پر چڑھ گئے لیکن ساتواں ابھی اوپر نہ پہنچا تھا کہ چند قدم کے فاصلے سے ایک سپاہی نے چونک کر مشعل بلند کرتے ہوئے کہا۔ "کون ہے؟"

دوسرے سپاہی نے چلّا کر کہا۔ "دشمن آگیا۔ ہوشیار!"

محمدؒ بن قاسم نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور ساتھ ہی ایک زوردار حملے سے فصیل کا بہت سا حصہ خالی کرا لیا۔ یہ نعرہ سن کر قلعہ کے باہر چھپے ہوئے سپاہی آگے بڑھے اور کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھنے لگے۔ قلعے کے اندر آرام سے سونے والے سپاہی ابھی اپنی تلواریں سنبھال رہے تھے کہ محمدؒ بن قاسم کے پچاس سپاہی فصیل پر پہنچ گئے۔

پہرے داروں نے زیادہ دیر فصیل پر مزاحمت کرنے کی بجائے اندر جا کر گہری نیند سونے والے ساتھیوں کو جگانا زیادہ مناسب خیال کیا اور انھوں نے زیادہ دیر ڈٹ کر لڑنے پر ایک سرنگ کے راستے فرار ہونے کو ترجیح دی۔ سرنگ بہت تنگ تھی، اور تمام سپاہی بیک وقت اس میں گھسنا چاہتے تھے۔ بعض نے مایوس ہو کر قلعے کا دروازہ کھول دیا اور کوئی پیدل اور کوئی گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے سے باہر نکل آیا۔ قلعے کا دروازہ کھلتا دیکھ کر مسلمان بھی فصیل پر چڑھنے کا خیال ترک کر کے اس طرف بڑھے، اور زیادہ آدمیوں کو فرار کا موقع نہ مل سکا۔ دشمن نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر تلواریں سونت لیں، لیکن تھوڑی دیر مقابلہ کرنے کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔

قلعے کے اندر سرنگ میں جمع ہونے والے سپاہی بری طرح ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو رہے تھے۔ ان کا شور سن کر محمدؒ بن قاسم ایک پہرے دار کی نیچے گری ہوئی مشعل اٹھا کر چند سپاہیوں کے ساتھ مختلف کمروں سے گزرتا ہوا ایک تہہ خانے کے ایک دروازے تک پہنچا اور فارسی زبان میں بولا:

"تم میں سے جو فرار ہونا چاہے اس کے لیے قلعے کا دروازہ کھلا ہے۔ تم اپنے ہتھیار پھینک کر جا سکتے ہو۔"

یہ کہہ کر محمدؒ بن قاسم ایک طرف ہٹ گیا راجہ کے سپاہیوں میں سے جو فارسی جانتے تھے، انھوں نے ایک دوسرے کو محمدؒ بن قاسم کا مطلب سمجھایا اور محمدؒ بن قاسم کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ بعض نے سرنگ کو ترجیح دی لیکن محمدؒ بن قاسم کے اشارے سے چند سپاہی تہہ خانے میں داخل ہوئے اور تلواریں سونت کر سرنگ کے منہ پر کھڑے ہو گئے۔

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "جب تمھارے لیے ایک کھلا راستہ موجود ہے تو تم تنگ اور تاریک راستہ کیوں اختیار کرتے ہو۔ ہم پر اعتبار کرو۔ اگر تمھیں قتل کرنا مقصود ہوتا تو تمھاری گردنیں ہماری تلواروں سے دور نہیں۔"

محمدؒ بن قاسم کے یہ الفاظ سن کر باقی سپاہی بھی ہتھیار پھینک کر تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ محمدؒ بن قاسم نے واپس قلعے کے دروازے پر پہنچ کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ قلعے سے باہر نکلنے والوں کے راستے میں مزاحم نہ ہوں۔

یہ لوگ جھجک جھجک کر قدم اٹھاتے اور مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے قلعے سے باہر نکل گئے۔ مفتوح دشمن کے ساتھ یہ سلوک سندھ کی تاریخ میں ایک نیا باب تھا۔ ایک معمّر سپاہی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دروازے تک پہنچا اور کچھ سوچ کر واپس آ گیا۔

محمد بن قاسم نے اس سے کہا۔ "اگر قلعے میں تمھاری کوئی چیز کھو گئی ہے، تو تلاش کر سکتے ہو۔ اس نے غور سے محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔ "کیا عرب فوج کے سپہ سالار آپ ہیں؟"

"ہاں! میں ہوں۔" محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔

"دشمن کسی حالت میں بھی نیک سلوک کا مستحق نہیں ہوتا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟"

"ہمارا مقصد دشمن کو تباہ کرنا نہیں بلکہ اس کو سلامتی کا راستہ دکھانا ہے۔"

"تو یقین رکھیے کہ آپ پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔ یہ لوگ جنھیں آج آپ اپنے رحم کا مستحق سمجھتے ہیں، کل آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ان مغرور بادشاہوں کے خلاف جنگ کریں گے، جو گرے ہوئے دشمن پر رحم کرنا نہیں جانتے۔" یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

محمدؒ بن قاسم نے قلعے کا چکر لگایا۔ چند تہہ خانے کھانے پینے کی اشیاء سے بھرے پڑے تھے اور اصطبل میں ساٹھ گھوڑے موجود تھے۔

محمدؒ بن قاسم کو یقین تھا کہ محمد بن ہارون کے تعاقب میں جانے والی فوج یہ قلعہ فتح ہو جانے کی خبر سنتے ہی واپس آ جائے گی۔ اس نے محمد بن ہارون کے پاس چار سوار یہ پیغام دے کر روانہ کیے کہ وہ کسی محفوظ مقام پر پڑاؤ ڈال کر اس کے احکام کا انتظار کرے۔ اس کے بعد اس قلعے کا دروازہ بند کر کے فصیل پر چاروں طرف تیر انداز بٹھا دیئے اور قلعے پر جابجا اسلامی پرچم نصب کر دیئے"۔

(۴)

محمدؒ بن قاسم فصیل پر کھڑا طلوعِ آفتاب کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اسے مشرق سے تیس چالیس سواروں کا ایک دستہ قلعے کی طرف آتا دکھائی دیا۔ محمدؒ بن قاسم اور اس کے ساتھی اسے سندھ کی فوج کا دستہ سمجھتے ہوئے کمانوں پر تیر چڑھا کر بیٹھ گئے۔ یہ سوار قلعے سے کوئی تین سو قدم کے فاصلے پر آ کر رک گئے اور ایک سوار اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہو کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا فصیل کی طرف بڑھا۔ تیر انداز محمدؒ بن قاسم کے اشارے کے منتظر تھے۔ محمدؒ بن قاسم نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ سوار نے فصیل کے نیچے پہنچ کر گھوڑا روکا اور عربی زبان میں کہا۔ "ہم زبیر کے ساتھی ہیں۔ ہمیں اندر آنے دو۔"

محمدؒ بن قاسم نے آگے جھک کر پوچھا۔ "تمھارا نام خالد ہے؟"

"جی ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"اپنے ساتھیوں کو بلا لو۔"

خالد نے پیچھے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور محمدؒ بن قاسم نے سپاہیوں کو قلعے کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ قلعے سے باہر نکل کر خالد سے سوال کیا۔ ”تمھاری بہن کہاں ہے؟“

خالد نے جواب دیا۔ ”وہ میرے ساتھ ہے لیکن زبیر نہیں آیا؟“

”وہ باقی فوج کے ساتھ ہے۔ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم اس قلعے میں ہیں؟“

”ہمیں یہ خبر مل چکی تھی کہ آپ مکران کی سرحد عبور کر چکے ہیں۔ ہم سندھی سپاہیوں کا بھیس بدل کر یہاں پہنچے اور آپ حیران ہوں گے کہ راجہ کی فوج کا سالار ہمیں یہاں سے چار میل دور ایک پہاڑی پر پہرہ دینے کیلیے متعین کر چکا تھا۔ ہم سخت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ آج قلعے سے فرار ہونے والے سپاہی وہاں پہنچے، اور انھوں نے بتایا کہ یہ قلعہ فتح ہو چکا ہے۔ ہم آپ کو مبارک باد دیتے ہیں — سپہ سالار کہاں ہیں؟“

محمدؒ بن قاسم نے مسکراتے ہوئے اپنے ایک ساتھی کی طرف دیکھا، اور اس نے جواب دیا۔ ”تم سپہ سالار سے باتیں کر رہے ہو۔“

تھوڑی دیر میں خالد کے باقی ساتھی ان کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے نیچے اتر رہے تھے۔ محمدؒ بن قاسم نے ان سب پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد کہا۔ ”لیکن تمھاری بہن کہاں ہے؟“

خالد نے مسکرا کر مردانہ لباس میں ایک نقاب پوش کی طرف اشارہ کر دیا۔

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ آپ کی صحت اب ٹھیک ہے۔ ہاں زبیر باقی فوج کے ساتھ ہے۔“

زبیر کا نام سن کر ناہید نے اپنے کانوں اور گالوں پر اچانک حرارت محسوس کی، اور پیچھے مڑ کر مایا کی طرف دیکھا۔ مایا بھی اس کی طرح مردانہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس نے آنکھ بچا کر ناہید کے بازو پر چٹکی لی، اور آہستہ سے کہا۔ ”ناہید مبارک ہو!“

(۵)

محمدؒ بن قاسم نے پھر ایک بار خالد کے تمام ساتھیوں کی طرف دیکھا، اور ایک سفید ریش قوی ہیکل آدمی کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”شاید تم گنگو ہو۔ میں تمھارا اور تمھارے ساتھیوں کا شکر گزار ہوں۔“

گنگو نے محمدؒ بن قاسم کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے خالد کی طرف دیکھا، اور خالد نے کہا۔ ”گنگو اور اس کے ساتھی مسلمان ہو چکے ہیں اور گنگو نے اپنے لیے سعد کا نام پسند کیا ہے۔“

محمدؒ بن قاسم نے الحمدللہ کہہ کر یکے بعد دیگرے سب سے مصافحہ کیا اور ناصرالدین (جے رام) کے ساتھ ہاتھ ملاتے وقت اس نے کہا۔ ”آپ غالباً ناصر الدین ہیں۔ آپ نے ہمارے لیے بہت تکلیف اٹھائی۔ خدا آپ کو جزا دے اور یہ شاید آپ کی ہمشیرہ ہے؟“

خالد نے کہا۔ ”یہ بھی مسلمان ہو چکی ہے۔ ان کا نام زہرا ہے۔“

زہرا نے ناصرالدین کے قریب آ کر دبی زبان میں پوچھا۔ ”یہ کون ہیں؟“ — اور ناصرالدین نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے یہ سوال خالد کے کانوں تک پہنچا دیا۔

خالد نے بلند آواز میں کہا۔ ”یہ ہمارے سپہ سالار ہیں۔“

سعد (گنگو) اور اس کے ساتھی حیران ہو کر محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھنے لگے، دور

سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور فصیل سے ایک پہریدار نے آواز دی "دشمن کی فوج آرہی ہے۔"

یہ لوگ جلدی سے قلعے میں داخل ہوئے۔ محمدؒ بن قاسم نے فصیل پر چڑھ کر دور تک نگاہ دوڑائی۔ جنوب اور مشرق کی طرف سے سندھ کے ہزاروں پیادہ اور سوار سپاہی قلعے کا رخ کر رہے تھے۔ محمدؒ بن قاسم نے اپنے دس سپاہیوں کو گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے نائب تک یہ پیغام پہنچانے کا حکم دیا کہ وہ شام سے پہلے اس جگہ پہنچ جائے۔

سپاہی گھوڑوں پر سوار ہو گئے تو محمدؒ بن قاسم نے انھیں ہدایت کی کہ وہ مغرب کی طرف سے چکر کاٹ کر حملہ آور لشکر کی زد سے نکل جائیں اور پھر اپنی منزل کا رخ کریں سپاہی گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے قلعے سے باہر نکل گئے۔ حملہ آور قریب آ چکے تھے۔ محمدؒ بن قاسم نے قلعے کا دروازہ بند کرنے کا حکم دے کر دوبارہ فصیل پر چڑھ کر چکر لگایا اور تیر اندازوں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کی۔ فصیل کے ایک کونے پر خالد اور اس کے ساتھی نہایت بے تابی سے حملہ آوروں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کے درمیان ناہید اور زہرا کو دیکھ کر محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "خالد! انھیں نیچے لے جاؤ۔ یہاں ان کی ضرورت نہیں۔"

ناہید نے جواب دیا۔ "آپ ہماری فکر نہ کریں۔ ہم تیر چلانا جانتی ہیں۔"

"تمھاری مرضی، لیکن ذرا سر نیچے رکھو۔" محمدؒ بن قاسم یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

بھیم سنگھ کے سپاہیوں نے گھوڑوں کو ٹیلوں کے عقب میں چھوڑ کر چاروں طرف سے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور چٹانوں اور پتھروں کے مورچے بنا کر قلعے پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔ قلعے کی فصیل کے مورچوں میں بیٹھنے والوں کے لیے حملہ آوروں کے تیر بے اثر ثابت ہوئے۔ محمدؒ بن قاسم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا، کہ وہ فقط قلعے پر دشمن کی یلغار روکنے کے لیے تیروں کو استعمال کریں۔

بھیم سنگھ نے اپنی فوج کے تیروں کا قلعے سے کوئی جواب نہ پا کر "راجہ داہر کی جے" کا نعرہ بلند کیا اور چٹانوں اور پتھروں کی آڑ میں چھپ کر تیر چلانے والے لشکر نے چاروں طرف سے قلعے پر دھاوا بول دیا۔

جب یہ لشکر قلعہ کے محافظوں کے تیروں کی زد میں آ گیا تو محمدؒ بن قاسم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہ نعرہ ابھی فضا میں تحلیل نہ ہوا تھا کہ قلعے سے تیروں کی بارش ہونے لگی اور بھیم سنگھ کے سپاہی زخمی ہو ہو کر گرنے لگے، لیکن بیس ہزار فوج چند سو سپاہیوں کے نقصان کی پروا نہ کرتے ہوئے قلعے کی فصیل تک پہنچ گئی اور کمندیں ڈال کر قلعے پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی لیکن تیروں کی بوچھاڑ کے سامنے ان کی پیش نہ گئی۔ چند ساعتوں کے بعد بھیم سنگھ کے قریباً دو ہزار آدمی قلعے کی دیواروں کے آس پاس ڈھیر ہو کر رہ گئے اور اسے فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دینا پڑا۔

دوسرے پہر تک بھیم سنگھ نے قلعے پر تین بار یلغار کی لیکن تینوں مرتبہ اسے مایوس ہو کر پیچھے ہٹنا پڑا۔

سہ پہر کے وقت بھیم سنگھ ایک فیصلہ کن حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے پیچھے سے محمدؒ بن قاسم کی باقی فوج کی آمد کی اطلاع ملی۔ اس نے سواروں کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹ کر اپنے گھوڑے سنبھالیں اور پیادہ فوج کے تیر اندازوں کو آس پاس کی پہاڑیوں پر متعین کر دیا۔ دشمن کی نقل و حرکت دیکھ کر محمدؒ بن قاسم کو یقین ہو گیا کہ دشمن کو محمدؒ بن ہارون کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے۔ اسے خطرہ پیدا ہوا کہ قلعے کے قریب پہنچ کر وہ چاروں طرف کے ٹیلوں اور پہاڑوں سے تیروں کی زد میں ہوگا۔ اس نے جلدی

سے کاغذ پر ایک نقشہ بنایا اور محمد بن ہارون کے نام چند ہدایات لکھ کر اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”محمد بن ہارون کے یہاں پہنچنے سے پہلے اسے یہ رقعہ پہنچانا ضروری ہے لیکن یہ کام جس قدر اہم ہے اسی قدر خطرناک ہے اس وقت دشمن کی توجہ دوسری طرف مبذول ہو چکی ہے۔ شمال کی طرف سے دشمن کے مورچے تقریباً خالی ہو چکے ہیں اور ہم فصیل سے آدمی اتار سکتے ہیں لیکن پھر بھی محمد بن ہارون تک پہنچنے کے لیے اسے کئی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس مہم کے لیے رضا کار۔۔۔۔۔!“

خالد نے محمدؒ بن قاسم کا فقرہ پورا نہ ہونے دیا اور بولا۔ ”مجھے اجازت دیجیے۔“

بہت سے سپاہیوں نے خالد کی مخالفت کی اور اپنے نام پیش کیے۔ سعد نے کہا۔ ”میں نے سنا ہے کہ مسلمان اپنے نو مسلم بھائی کی خواہش رد نہیں کرتے۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میرے لباس سے کسی کو مجھ پر شک بھی نہیں ہوگا اور میں اس زمین کے چپے چپے سے واقف بھی ہوں۔“

محمدؒ بن قاسم کو اپنی فوج دشمن کے لشکر کے عقب میں دو تین میل کے فاصلے پر ایک ٹیلے سے اترتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے سعد کے ہاتھ میں رقعہ دیتے ہوئے کہا۔ ”جاؤ خدا تمھاری مدد کرے۔“

سعد بھاگتا ہوا شمال کی دیوار کی طرف پہنچا اور ایک رسّے کے ذریعے نیچے اتر گیا۔

(۶)

محمد بن ہارون نے دور سے بھیم سنگھ کے سوار دستوں کو حملے کے لیے

تیار دیکھ کر اپنی فوج کو رُکنے کا حکم دیا اور مقابلے کے لیے صفیں درست کرنے کے بعد پیش قدمی کا حکم دینے والا تھا کہ لشکر کے دائیں بازو کا سالار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور اُس نے ایک رُقعہ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ تحریر تو سپہ سالار کی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن لانے والا ایک سندھی ہے۔ ہم نے اُسے گرفتار کر لیا ہے، وہ بھی عربی جانتا ہے اور کہتا ہے کہ زبیر مجھے جانتا ہے۔ اپنا نام کبھی سعد بتاتا ہے اور کبھی گنگو۔“

زبیر نے چونک کر کہا۔ ”میں اسے جانتا ہوں۔“

محمد بن ہارون نے رقعہ پڑھنے کے بعد کہا۔ ”سپہ سالار کا رقعہ دیکھنے کے بعد تمھیں اُس کے متعلق تحقیقات کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر تم نے اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہے تو جا کر معافی مانگو، اور اپنے سواروں سے کہو کہ وہ میرے ساتھ آملیں۔ زبیر! ہمارے دائیں اور بائیں طرف تمام پہاڑیوں پر دشمن کے تیر اندازوں کا قبضہ ہے۔ تم میسرہ کے شتر سواروں کو اونٹوں سے اتر کر دونوں بازوؤں سے پہاڑیوں پر حملہ کرنے اور بائیں بازو کے سواروں کو مقدمۃ الجیش کے ساتھ شامل ہو جانے کا حکم دو۔ جب تک دشمن کے تیر انداز ان پہاڑیوں پر موجود ہیں، ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔“

بھیم سنگھ کی چال نہایت کامیاب تھی۔ اگر محمد بن ہارون سامنے سے فوراً حملہ کر دیتا تو اُس کے لشکر کے دونوں بازوؤں پر پہاڑیوں میں چھپے ہوئے تیر انداز مسلمانوں کی فوج کے لیے بہت خطرناک ثابت ہوتے۔ لیکن بھیم سنگھ کی توقع کے خلاف جب دائیں اور بائیں بازو سے مسلمانوں کی پیادہ فوج پہاڑیوں پر چڑھنے لگی، تو اُس نے فوراً آگے بڑھ کر حملے کا حکم دے دیا۔

قلعے کے اندر محمدؒ بن قاسم اس موقع کا منتظر تھا۔ اُس نے پچاس سپاہیوں

کو قلعے کی حفاظت پر متعین کیا اور باقی فوج کو قلعے سے باہر نکال کر دشمن پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔ سوار اور پیدل سپاہی قلعے کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ اور محمدؒ بن قاسم دروازے کے سُوراخ میں سے دونوں افواج کی نقل و حرکت دیکھنے لگا۔

خالد، ناصرالدین اور اس کے ساتھی بھی قلعے میں ٹھہرنے والے سپاہیوں سے خود، زرہیں اور عربی لباس حاصل کر کے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اچانک ناہید اور زہرا کیل کانٹے سے لیس ہو کر ایک کمرے سے باہر نکلیں اور دروازے کے پاس پہنچ کر کھڑی ہو گئیں۔

خالد نے کہا۔ "ناہید! زُہرا!! جاؤ! قلعے کے باہر تمھارا کوئی کام نہیں"!

ناصرالدّین نے اس کی تائید کی۔ محمدؒ بن قاسم نے مڑ کر اُن کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں تمھارے جذبۂ جہاد کی داد دیتا ہوں، لیکن تم قلعے کی حفاظت کے لیے سپاہیوں کا ساتھ دے کر ہماری مدد کر سکتی ہو۔ قوم کے لیے بہادر ماؤں کا دودھ خون سے زیادہ قیمتی ہے نازک وقت آنے پر وہ گھروں کی چار دیواری کو گرتی ہوئی قوم کے لیے آخری قلعہ بنا سکتی ہیں۔ تم یہاں ہو گی تو قلعے کی حفاظت میں یہ چند سپاہی اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے سے دریغ نہیں کریں گے لیکن میدان میں سپاہیوں کو دشمن کا مقابلہ کرنے سے زیادہ تمھاری حفاظت کا خیال ہو گا۔ تم میں سے ایک کا زخمی ہو کر گرنا سینکڑوں سپاہیوں کو بددل کر دے گا اور یہ معرکہ ایسا نہیں جس کے لیے ہمیں تمھاری مدد کی ضرورت ہو۔ تم تھوڑی دیر آرام کر لو۔ شاید رات بھر تمھیں زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے جاگنا پڑے۔ خالد! انھیں اندر لے جاؤ!"

یہ کہہ کر وہ پھر دروازے کے سُوراخ میں سے جھانکنے لگا۔ جب دونوں افواج گتھم گتھا ہو گئیں، تو محمدؒ بن قاسم نے گھوڑے پر سوار ہو کر دروازہ

کھولنے کا حکم دیا۔

خالد، ناہید اور زہرا کو کمرے میں چھوڑ کر واپس لوٹا اور وہ ابھی دروازے تک نہ پہنچا تھا کہ زہرا نے بھاگ کر اس کا دامن پکڑ لیا۔ "خدا کے لیے! مجھے ساتھ لے چلیے! میں زندگی اور موت میں تمھارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔"

خالد نے برہم ہو کر جواب دیا۔ "زہرا نادان نہ بنو! تم سپہ سالار کا حکم سُن چکی ہو، مجھے جانے دو۔ فوج قلعے سے باہر نکل رہی ہے۔"

زہرہ نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھے بزدل خیال نہ کرو ــــ میں تمھارے ساتھ جان دینا چاہتی ہوں۔"

"زہرا! زہرا!! مجھے چھوڑ دو!" یہ کہتے ہوئے اس نے زہرا کے ہاتھ جھٹک دیے لیکن وہ پھر راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اگر آپ اس سعادت سے محروم نہیں ہونا چاہتے تو مجھے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہیں۔"

"زہرا! یہ امیرِ عساکر کا حکم ہے اور جہاد میں امیرِ عساکر کی حکم عدولی سب سے بڑا جرم ہے۔"

زہرا نے بددل ہو کر خالد کا دامن چھوڑ دیا اور سسکیاں لیتی ہوئی ناہید سے لپٹ گئی۔

خالد بھاگتا ہوا دروازے تک پہنچا، سپاہی جا چکے تھے اور دروازہ بند تھا۔ خالد نے پہرے دار سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا لیکن اس نے جواب دیا "جب تک باہر سے سپہ سالار کا حکم نہ آئے، میں دروازہ نہیں کھول سکتا۔" خالد کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُسے خیال آیا کہ وہ اُسے بزدل سمجھ کر پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس نے بھاگ کر دروازے کے سُوراخ سے باہر

جھانکا۔ قلعے کی پیادہ فوج عقب سے بھیم سنگھ کے لشکر کے دونوں بازوؤں پر حملہ کر چکی تھی اور محمدؒ بن قاسم ساٹھ سواروں کے ہمراہ براہِ راست قلب لشکر پر حملہ کر چکا تھا۔ خالد دشمن کے لشکر کے عین وسط میں ہلالی پرچم دیکھ کر اپنی مٹھیاں بھینچتا اور ہونٹ کاٹتا ہوا پہرے داروں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "انھوں نے میرا انتظار کیا ہوگا اور یہ سمجھ لیا ہوگا کہ میں موت کے ڈر سے قلعے میں کہیں چھپ کر بیٹھ گیا ہوں۔ خدا کے لیے دروازہ کھول دو، مجھے جانے دو!"

پہرے دار نے جواب دیا۔ "آپ اطمینان رکھیے! سپہ سالار کو یہ شک نہیں کہ آپ بزدل ہیں۔ ورنہ شاید آپ کے قتل کا حکم دیے جاتے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ لڑکیوں کے پاس آپ کا ٹھہرنا بہتر ہوگا۔ ہمیں دروازہ کھولنے کی اجازت نہیں۔"

"تو میں فصیل سے کود جاؤں گا۔" یہ کہہ کر خالد فصیل کی سیڑھی کی طرف لپکا۔ راستے میں زہرا کھڑی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن خالد کے تیور دیکھ کر سہم گئی۔

خالد نے اس پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور کہا۔ "اب تم خوش ہو نا!"

زہرا نے کہا۔ "مجھے معاف کر دو! میں ایک عورت ہوں۔"

"خدا ایک زندہ قوم کو تمھارے جیسی عورتوں سے بچائے۔" خالد یہ کہہ کر بھاگتا ہوا زینے پہ چڑھا اور رسا پھینک کر آن کی آن میں فصیل سے نیچے اتر گیا۔

زہرا نے بھاگ کر کمرے سے تلوار اٹھائی۔ ناہید نے پوچھا۔ "زہرا! کہاں جا رہی ہو؟"

زہرا نے جواب دیا۔ "ناہید! تمھارے بھائی نے ہمیشہ مجھے غلط سمجھا، اگر میں واپس نہ آ سکوں تو اسے کہہ دینا میں بزدل نہ تھی۔ کاش! ہمارا سماج

عورت کو اپنے پتی کی چتا پر جلنے کی بجائے کسی مقصد پر قربان ہونا سکھاتا۔

ناہید نے کہا۔ "زہرا! ٹھہرو! زہرا! زہرا!!"

لیکن زہرا آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور بگولے کی طرح باہر نکل گئی ناہید اس کے پیچھے بھاگی لیکن جب تک وہ زینے کے قریب پہنچی وہ فصیل پر چڑھ کر رسّیوں کی سیڑھی نیچے پھینک چکی تھی۔ سپاہیوں نے اس کو روکنا چاہا لیکن اس نے کہا۔ "اگر میرا راستہ روکا گیا۔ تو میں فصیل سے کود جاؤں گی۔"

سپاہی پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور زہرا نیچے اتر گئی۔ ناہید نے فصیل پر پہنچ کر آوازیں دیں۔ "زہرا! زہرا!! پگلی نہ بنو۔ واپس آجاؤ!" لیکن ناہید کی ہر آواز کے ساتھ اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ ناہید نے مایوس ہو کر خود نیچے اترنے کا ارادہ کیا لیکن ایک عمر رسیدہ سپاہی نے کہا۔ "عورت کا جوش اندھا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے اس کا تعاقب کیا تو وہ بے تحاشا دشمنوں کی صفوں میں جا پہنچے گی۔"

ناہید نے مایوس ہو کر ایک سپاہی سے تیر و کمان منگوایا اور فصیل کے ایک مورچے میں بیٹھ گئی۔ ایک گھوڑا اپنے سوار کو میدان میں گرا کر ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ زہرا نے بھاگ کر اس کی لگام پکڑ لی اور اس پر سوار ہو گئی۔ اسے گھوڑے پر دیکھ کر ناہید کو قدرے اطمینان ہوا اور وہ اس کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگنے لگی۔

(۷)

مسلمانوں کی فوج پر بھیم سنگھ کی فوج کا پہلا حملہ بہت زوردار تھا اور انھیں ایک تنگ وادی میں چند قدم پیچھے ہٹنا پڑا لیکن پیادہ فوج آس پاس

کی پہاڑیوں پر قبضہ جما کر تیر برسانے لگی تو سندھ کے لشکر کی توجہ دو حصّوں میں بٹ گئی۔ عین اس موقع پر محمدؒ بن قاسم نے قلعے کا دروازہ کھول کر عقب سے حملہ کر دیا اور چند سواروں کے ہمراہ دشمن کی صفیں درہم برہم کرتا ہوا لشکر کے قلب تک جا پہنچا۔

لشکر کے عین درمیان سبز پرچم دیکھ کر محمدؒ بن ہارون نے اپنے لشکر کو تین اطراف سے عام حملے کا حکم دے دیا۔ زبیر، محمدؒ بن قاسم کی اعانت کے لیے پانچ سو سواروں کو لے کر آگے بڑھا اور آن کی آن میں اُس کے ساتھ آ ملا۔ بھیم سنگھ کی فوج بدحواس ہو کر قلعے کی طرف ہٹنے لگی۔ وادی میں اُٹھتی ہوئی گرد نے شام کے دھندلکے کے ساتھ مل کر آمدِ شب کے آثار پیدا کر دیئے تھے۔ بھیم سنگھ نے آخری بار اپنی فوج کی ٹوٹی ہوئی صفیں منظم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن زبیر کی تقلید میں محمد بن ہارون کے باقی سپاہی بھی میدان کو صاف کرتے ہوئے محمدؒ بن قاسم کے ساتھ آملے۔

بھیم سنگھ کی فوج غیر منظم ہو کر مختلف ٹولیوں میں لڑنے لگی۔ مسلمانوں کے دباؤ سے کئی ٹولیاں پسپا ہو کر قلعے کے قریب پہنچ چکی تھیں اور جب قلعے کے محافظ ان پر تیر برسانے لگے تو وہ بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔

خالد تیر اندازوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک ٹیلے سے اُترا اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمن کی ایک ٹولی پر ٹوٹ پڑا۔ بدحواس سپاہی ایک طرف ہٹ گئے اور خالد ان کے تعاقب میں اپنے ساتھیوں سے علیٰحدہ ہو گیا۔ دشمن کے سپاہیوں نے موقع پا کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اچانک ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور اس نے اللہ اکبر کہہ کر اس ٹولی پر حملہ کر دیا۔ خالد اس کی آواز پہچان کر چونکا۔ یہ زہرا تھی۔ زہرا کی تلوار یکے بعد دیگرے دو سپاہیوں کے سروں پر چمکی اور دونوں گر کر خاک میں لوٹنے لگے۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر زہرا پر وار کیا۔ زہرا کا گھوڑا اچانک بدکا اور تلوار اس کی اگلی ٹانگ پر لگی۔ گھوڑے نے چند چھلانگیں لگائیں اور ڈگمگا کر گر پڑا۔ مسلمانوں کے دستوں کو قریب آتا دیکھ کر بھیم سنگھ کے سپاہیوں نے میدان کا یہ حصّہ بھی خالی کر دیا — خالد بھاگتا ہوا زہرا کے پاس پہنچا۔ وہ گھوڑے کے قریب مُنہ کے بل پڑی ہوئی تھی۔ قریب پہنچ کر خالد کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کے مُنہ سے بیک وقت سسکیاں، آہیں اور دُعائیں نکلیں۔ وہ رکا، جھجکا، کپکپایا اور پھر بھاگ کر زہرا کو اُٹھانے لگا۔ معاً اسے زہرا کی پیٹھ پر خون کے نشان اور زرہ میں دو تیر اٹکے ہوئے نظر آئے اور زندگی کی تمام حسیات سمٹ کر اس کی آنکھوں میں آ گئیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے دونوں تیر نکال کر پھینک دیئے، زہرا نے ایک جھرجھری لینے کے بعد آنکھیں کھولیں اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ خالد نے چاند کی ہلکی اور پھیکی روشنی میں اس کا زرد چہرہ دیکھا اور کہا۔ ”تمہیں تکلیف تو نہیں؟“

اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ”نہیں! میں نے ان تیروں کو محسوس بھی نہیں کیا۔ گھوڑے سے گرنے کے بعد میرا سر چکرا گیا تھا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میدان کا کیا حال ہے؟“

”میدان خالی ہو چکا ہے۔ خدا نے ہمیں فتح دی ہے لیکن ناہید کہاں ہے؟“

”وہ قلعے میں ہے۔ میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔“

”وہ کیا؟“

”آپ مجھ سے خفا تو نہیں؟“

”اُف! زہرا! مجھے نادم نہ کرو۔ مجھے اپنی سخت کلامی کا بہت افسوس ہے۔“

آہستہ سے سعد کے کان میں کچھ کہا اور وہ چند بار سر ہلانے کے بعد ناصرالدین سے مخاطب ہوا۔ میں علیٰحدگی میں آپ کے ساتھ ایک بات کرنا چاہتا ہوں:"

ناصرالدین نے اس کے ساتھ چند قدم چلنے کے بعد رُک کر کہا —— "کہیے کیا ارشاد ہے؟"

سعد نے آس پاس جمع ہونے والے سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہاں نہیں۔ یہاں بہت سے لوگ ہیں۔"

ناصرالدین نے کہا۔ "بہت اچھّا۔ جہاں چاہو، چلے چلو۔"

قلعے کے دروازے سے کوئی پانچ سو قدم دور جا کے سعد نے ایک پتھر پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ بھی بیٹھ جائیں۔"

ناصرالدین اس کے سامنے دوسرے پتھر پر بیٹھ گیا۔

سعد نے کہا۔ "پہلے آپ یہ وعدہ کریں کہ آپ میری بات سُن کر میرا سر پھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو جائیں گے؟"

ناصرالدین نے جواب دیا۔ "اگر کوئی سر پھوڑنے والی بات ہوئی تو ضرور پھوڑوں گا۔"

سعد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "بات تو ایسی کوئی نہیں لیکن پرائے ہاتھوں کا کیا اعتبار۔ اچھّا میں کہہ ہی دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ مایا نہیں! نہیں!! زہرا آپ کی بہن ہے اور میرے لیے بھی وہ بیٹی سے کم نہیں۔ خالد بھی مجھے بہت عزیز ہے بالکل اپنے بیٹے کی طرح اور اس سے آگے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہوں؟ مجھے ڈر ہے کہ آپ خفا ہو جائیں گے!"

ناصرالدین نے کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خالد اور زہرا کی شادی کر دی جائے!"

"ہاں! ہاں!! خدا تمھارا بھلا کرے۔ میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"بس اسی بات کے لیے مجھے یہاں تک گھسیٹ لائے ہو؟"

سعد نے جواب دیا۔ "مجھے یہ خیال تھا کہ اگر آپ بگڑ کر میری داڑھی نوچنے پر آمادہ ہو جائیں تو دوسرے ہمارا تماشا نہ دیکھیں۔"

ناصرالدین نے جواب دیا۔ "میں حیران ہوں کہ مجھے آپ نے اس قدر بُرا خیال کیا۔ مجھے گنگو سے نفرت تھی لیکن سعد کی میرے دل میں وہی عزّت ہے جو ایک راجپوت کے دل میں اپنے باپ کے لیے ہونی چاہیے۔ آپ جس وقت چاہیں اُن سے شادی کر سکتے ہیں۔"

سعد نے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ ابھی ہو جائے۔"

"لیکن زہرا زخمی ہے۔"

سعد نے چونک کر سوال کیا۔ "زہرا زخمی ہے؟ مجھے کسی نے کیوں نہیں بتایا! چلو چلیں۔"

ناصرالدین نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اس کے زخم بالکل معمولی ہیں۔"

سب کا محسن

آدھی رات تک محمدؒ بن قاسم کے تھکے ہارے سپاہی زخمیوں کی مرہم پٹّی اور شہیدوں کی تجہیز و تکفین میں مصروف رہے۔ میدان میں چاروں طرف سے دشمن کے زخمی سپاہیوں کی چیخ اور پکار سنائی دے رہی تھی۔ شہیدوں کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد مسلمانوں کی فوج کا سترہ سالہ سپہ سالار جس کا جسم بے آرامی کی کئی راتیں کاٹنے کے بعد تھکاوٹ سے چُور ہو چکا تھا، جس کے بازو دن بھر تلواروں اور نیزوں سے کھیلنے کے بعد شل ہو چکے تھے، اپنی پیٹھ پر پانی کا مشکیزہ اٹھائے زخموں سے کراہتے ہُوئے دشمنوں کی پیاس بجھا رہا تھا۔ وہ آنکھیں جن میں اُس کے ساتھیوں نے لڑائی کے وقت قہر و غضب کی آگ کے شعلے دیکھے تھے، اب گر کر تڑپنے والے دشمن کے لیے عفو اور رحم کے آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ وہ ہاتھ جس کی تلوار دشمنوں کے سر پر بجلی بن کر کوندی تھی، اب اُن کے زخموں پر مرہم رکھ رہا تھا۔

محمدؒ بن قاسم کے سپاہی بھی تھکاوٹ سے چُور تھے۔ لیکن وہ اپنے بالکل نوجوان سپہ سالار کی تقلید میں ایک رُوحانی لذّت محسُوس کر رہے تھے۔ اُنھوں نے دشمن کے زخمیوں کو اُٹھا اُٹھا کر قلعے کے سامنے قطار در قطار لٹا دیا۔

محمدؒ بن قاسم کو ایک پہاڑی کے دامن سے کسی کے کراہنے کی آواز آئی اور وہ مشعل اٹھائے اس طرف بڑھا۔ سعید، زبیر، سعد ناصرالدین اور چند اور سالار اس کے ساتھ تھے۔ مشعل کی روشنی میں چند لاشوں کے درمیان اُسے ایک زرہ پوش نوجوان دکھائی دیا۔ اس کی زرہ میں کئی جگہوں پر خون کے نشان تھے اور پسلی میں ایک تیر پیوست تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ سے تلوار کا دستہ چھوٹ چکا تھا لیکن بائیں ہاتھ میں وہ ابھی تک مضبوطی کے ساتھ سندھ کا جھنڈا تھامے ہوئے تھا۔ محمدؒ بن قاسم نے مشعل اپنے ایک ساتھی کے ہاتھ میں تھما دی اور زمین پر گھٹنا ٹیکتے ہوئے اسے اٹھنے کا سہارا دے کر پانی پلایا۔ چند گھونٹ پینے کے بعد نوجوان نے آنکھیں کھولیں اور محمدؒ بن قاسم اور اس کے ساتھیوں کو غور سے دیکھنے کے بعد جھنڈے کو دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔

ناصرالدین نے زبیر سے کہا۔ ”زبیر! تم نے اسے پہچانا نہیں؟“ زبیر نے آگے بڑھ کر زخمی نوجوان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”اُف! یہ بھیم سنگھ ہے؟“

بھیم سنگھ نے آنکھیں کھولیں اور اپنے چہرے پر ایک دردناک مُسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں فتح مبارک ہو!“

محمدؒ بن قاسم کے استفسار پر زبیر نے بھیم سنگھ کے الفاظ کا عربی میں ترجمہ کیا اور اس نے کہا۔ ”میں حیران ہوں کہ ایسے بہادر سپہ سالار کی موجودگی میں سندھ کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔ زبیر! تم اسے سہارا دو میں اس کا تیر نکالتا ہوں۔“

زبیر نے آگے بڑھ کر بھیم سنگھ کو سہارا دیا۔ محمدؒ بن قاسم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بھیم سنگھ نے جھنڈا چھوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

محمدؒ بن قاسم نے ناصرالدین کو اشارہ کیا اور اس نے بھیم سنگھ کے دونوں

ہاتھ پکڑ لیے۔ محمدؐ بن قاسم نے تیر نکال کر ایک طرف پھینک دیا اور ناصرالدین کو فوراً زرہ کھول ڈالنے کے لیے کہا۔

بھیم سنگھ کے زخم زیادہ گہرے نہ تھے لیکن خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ محمدؐ بن قاسم نے اس کی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اُسے قلعے کے اندر لے جائیں اور خود دوسرے زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔

(۲)

زہرا نے اپنے زخموں کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ وہ حسبِ معمول علی الصباح اُٹھ کر ناہید کے ساتھ صبح کی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ نماز ادا کرنے کے بعد زہرا نے اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔ ”ناہید! کاش میں زیادہ زخمی ہوتی اور تمہاری تیمارداری کا لُطف اُٹھاتی!“

ناہید نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم میری تیمارداری کا تصوّر کر رہی ہو یا خالد کی تیمارداری کا؟“

زہرا کے گالوں پر تھوڑی دیر کے لیے حیا کی سُرخی چھا گئی۔ دروازے پر ناصرالدین نے دستک دیتے ہوئے کہا۔ ”میں اندر آ سکتا ہوں؟“

ناہید نے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے کہا۔ ”لو اب اُٹھ جاؤ ورنہ ——!“

”ورنہ کیا ہو گا؟“

ناہید نے کہا۔ ”ورنہ تمہاری شادی شاید دیبل کی فتح تک ملتوی ہو جائے!“

زہرا کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے اُٹھ کر ناہید کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔ ”ناہید! آپا ناہید! سچ کہو یہ کیا معاملہ ہے؟“

ناہید نے اپنا دامن چھڑاتے ہوئے کہا۔ ”پگلی! تمہارا بھائی باہر کھڑا ہے مجھے چھوڑ دو!“

”نہیں! جب تک تم مجھ سے صاف صاف نہ کہو گی، میں نہیں چھوڑوں گی۔ بھیّا ذرا ٹھہرنا! میں آپا ناہید سے ایک بات کر رہی ہوں۔ ہاں! بتاؤ؟“

ناہید نے کہا۔ ”اچھّا بتاتی ہوں، سُنو! رات کے وقت سعد نے میدان سے آتے ہی تمہارے متعلق پوچھا اور میں نے تمام واقعات بتا دیے اور تمہارے دل کی حالت پہلے بھی اس سے پوشیدہ نہ تھی۔ تمہیں یاد ہے۔ جب ہم قلعے میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ تمہارے بھائی کو پکڑ کر ایک طرف لے گیا تھا ——؟“

”تو اس نے بھائی سے کیا کہا ہو گا؟“

”یہی کہ خالد کے ساتھ تمہاری شادی کر دی جائے!“

”آپا سچ کہو! تم مذاق کر رہی ہو!“

”پگلی میں مذاق نہیں کرتی۔ تمہارا بھائی ابھی میری باتوں کی تصدیق کر دیگا۔“

زہرا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے۔ ناہید نے کہا۔ ”ہائیں! تم رو رہی ہو۔ کیا تمہیں میرا بھائی پسند نہیں؟“

اُس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”نہیں!“

”تو میں خود تمہارے بھائی سے کہہ دیتی ہوں کہ وہ تمہیں شادی کے لیے مجبور نہ کرے۔ کہوں اس سے؟“ یہ کہتے ہوئے ناہید ایک شرارت آمیز تبسم کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی لیکن زہرا آگے بڑھ کر اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

”میری بہن! میری آپا!“ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

ناہید نے کہا "تو تم خالد کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو!"

زہرا نے اس کی طرف دیکھا، مسکرائی اور اُسے دوسرے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے بولی "جاؤ، تم بہت شریر ہو!"

ناصرالدین نے باہر سے آواز دی "زہرا! تمہاری باتیں کب ختم ہوں گی؟"

اس نے بستر پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا "آجاؤ بھیّا! بہن ناہید دوسرے کمرے میں چلی گئی ہے"

(۳۶)

ناصرالدین نے اندر پاؤں رکھتے ہی پوچھا "تمہارے زخموں کا اب کیا حال ہے؟"

اس نے جواب دیا "بھیّا! وہ معمولی خراشیں تھیں، میں بالکل ٹھیک ہوں"

ناصرالدین اس کے قریب چارپائی پر بیٹھ گیا۔ زہرا کا دل دھڑک رہا تھا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد ناصرالدین نے کہا "زہرا! خالد ایک بہادر نوجوان ہے۔ میرا ارادہ ہے تمہاری شادی اس کے ساتھ کر دی جائے۔ تمہیں یہ رشتہ پسند ہے؟"

زہرا نے جواب دینے کی بجائے دونوں ہاتھوں میں اپنا منہ چھپا لیا۔

ناصرالدین نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا "میرا ارادہ تھا کہ سندھ فتح ہونے کے بعد تمہاری شادی دھوم دھام سے ہو لیکن مسلمان ایسی رسومات کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اہلِ سندھ کے ساتھ ابھی فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے۔ سپاہی کو اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں

اپنے ہاتھوں سے خالد کو سونپ دوں۔ ناہید تمہیں بہت چاہتی ہے۔ وہ تمہارا خیال رکھے گی اور میں زیادہ اطمینان کے ساتھ اسلام کی خدمت کر سکوں گا۔ زہرا! اس بے سروسامانی میں میرے پاس تمہارے لیے نیک دُعاؤں کے سوا کچھ نہیں۔ اگر میرے پاس ساری دنیا کی دولت ہوتی تو میں تم پر وہ بھی نچھاور کر دیتا!"

"بھیّا! بھیّا!!" اُس نے آگے جھک کر ناصرالدین کی گود میں سر رکھ دیا اور ہچکیاں لیتے ہوئے کہا "مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں!"

اُس نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "زہرا! میرا ارادہ ہے کہ آج ہی تمہاری شادی کر دوں۔ فوج دو چار دن اور یہاں ٹھہرے گی لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اچانک دیبل سے راجہ کی فوج کی پیش قدمی کی اطلاع آجائے اور ہمیں فوراً کوچ کرنا پڑے۔ سعدؔ محمدؒ بن قاسم سے ذکر کر چکا ہے اور وہ بہت خوش ہیں۔ سعدؔ خالد سے بھی پوچھ چکا ہے اور بہن ناہید کو بھی مبارکباد دو۔ سالارِ اعظم خود اس کے بھائی کو بُلا کر اس کی رضامندی حاصل کر چکے ہیں۔ وہ خود تم دونوں کا نکاح پڑھانا چاہتے ہیں!"

باہر سے سعد نے ناصرالدین کو آواز دی اور وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

زہرا نے اٹھ کر برابر والے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "ناہید! ناہید!! تم نے سُنا، آج تمہاری شادی ہے!"

"میری شادی؟" ناہید کے چہرے پر حیا اور مسرت کی سُرخ و سفید لہریں دوڑنے لگیں۔

"ہاں ناہید! تمہاری شادی۔ اب بتاؤ تمہیں زبیر بھیّا پسند ہیں یا نہیں؟ اور میں ابھی اُنھیں بُلا کر کہتی ہوں کہ وہ اپنے لیے کوئی اور لڑکی تلاش کریں!"

ناہید نے کہا "تم بہت شریر ہو زہرا!"

خالد نے برآمدے سے برابر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے ناہید کو آواز دی اور زہرا نے ہنستے ہوئے کہا "ناہید جلدی جاؤ! ورنہ تمھاری شادی سندھ کی فتح تک ملتوی ہو جائے گی۔ میں مذاق نہیں کرتی تمھارا بھائی ابھی میری باتوں کی تصدیق کر دے گا!"

ناہید، زہرا کو محبّت بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی دوسرے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا دل خوشی کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ اس کے پاؤں ڈگمگا رہے تھے۔

(۴)

شام کے وقت لشکر کے تمام سالار قلعے کے ایک وسیع کمرے میں جمع ہو کر زبیر اور خالد کو ان کی شادی پر مبارک باد دے رہے تھے۔ ناہید اور زہرا اپنے کمرے میں بیٹھی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ ناہید نے کہا "زہرا! نکاح کے وقت تمھاری زبان گنگ کیوں ہو گئی تھی؟"

"ناہید! مجھے معلوم نہیں، تم جانتی ہو، مجھے یہ امید نہ تھی کہ یہ تمام باتیں اس قدر جلدی ہو جائیں گی۔ میرے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں اور پھر اگر نکاح پڑھانے والا محمدؒ بن قاسم کی بجائے کوئی اور ہوتا تو میں شاید اس قدر بدحواس نہ ہوتی۔ اس کے چہرے پر کتنا جلال تھا اور اس کی آواز کس قدر رُعب دار تھی۔ سچ کہتی ہوں، وہ انسان نہیں دیوتا ہے، اور ہمیں دیوتاؤں سے ڈرنا سکھایا گیا ہے۔ ناہید! اگر تم میرے پاس نہ ہوتیں تو شاید میری زبان بالکل نہ کھلتی۔ اُنھوں نے پوچھا۔ "تمھیں

خالد قبول ہے؟" اور میں شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ ناہید! مجھے ابھی تک یقین نہیں آتا کہ تمہارے بھائی کے ساتھ میری شادی ہو چکی ہے۔ کبھی کبھی مجھے خیال آتا ہے کہ میں ایک خواب دیکھ رہی ہوں۔ کیا تمھیں اپنی شادی ایک خواب معلوم نہیں ہوتی؟"

ناہید مسکرائی اور زہرا اُس کے گلے میں باہیں ڈال کر اُس سے لپٹ گئی۔ ناہید اس کے سیاہ اور خوبصورت بالوں سے کھیلنے لگی۔ اچانک اس کے دل میں ایک خیال آیا اور اس نے اپنے گلے سے موتیوں کا ہار اتار کر زہرا کے گلے میں ڈال دیا۔

زہرا نے کہا "نہیں نہیں! یہ تمھیں اچھا لگتا ہے!"

ناہید نے جواب دیا "میرے پاس دوسرا ہے۔ مجھے خالد دے گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اپنی ہیرے کی انگوٹھی اتاری اور زہرا کے احتجاج کے باوجود اس کی انگلی میں پہنا دی "دیکھو! اگر تمھیں میری خوشی منظور ہے تو اسے مت اُتارو۔" زہرا مغموم سی ہو کر ناہید کی طرف دیکھنے لگی۔ ناہید نے کہا "زہرا! تم مغموم کیوں ہو گئیں؟ مجھے زیور اچھے نہیں لگتے اور تمہارے ملک میں زیور پہننے کا رواج ہے!"

زہرا نے کہا "لیکن ہمارے ملک میں بھابی نند سے لیتی نہیں۔ اُسے دیتی ہے، اور میں گھر سے اتنی زیور . . . . !"

ناہید نے بات کاٹتے ہوئے کہا "پگلی! بھابی تم آج بنی ہو۔ اس سے پہلے ایک عرصہ سے تم میری ننھی بہن تھیں۔"

زہرا نے کہا "ناہید! سندھ کی فتح کے بعد بھائی جان کا ارادہ ہے کہ وہ کاٹھیاواڑ جا کر اسلام کی تبلیغ کریں۔ میرا بھی ارادہ ہے کہ میں چند دن کے

لیے وہاں جاؤں۔ کاش! تم بھی ہمارے ساتھ چل سکو۔ ہمارا گھر سمندر کے کنارے ایک چھوٹے سے قلعے میں ہے۔ اس کے تین طرف آموں کے وسیع باغات ہیں۔ بیچ میں سے ایک ندی گزرتی ہے۔ میں اس ندی کے کنارے آم کے ایک درخت پر جھولا جھولا کرتی تھی۔ برسات کے دنوں میں اس ندی کا پانی بہت تیز بہتا تھا اور میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ اس میں نہایا کرتی تھی۔ بارش میں ہم آم توڑ کر کھایا کرتیں۔ شہد کی طرح میٹھے آم' باغ سے پرے ایک خوبصورت جھیل تھی۔ ہم پانی میں کود کر آنکھ مچولی کھیلتیں اور کنول کے پھول توڑ کر ایک دوسری پر پھینکتیں۔ ناہید! میں تمہیں وہاں ضرور لے چلوں گی!"

ناہید نے جواب دیا "خدا ہمیں فتح دے! ممکن ہے کہ سندھ کے بعد ہماری افواج تمہارے شہر کا رُخ کریں!"

زہرا نے کہا "خدا وہ دن جلد لائے اور میں اپنے ہاتھوں سے اس قلعہ پر اسلام کا پرچم لہراؤں۔ ناہید! میں حیران ہوں کہ میرے خیالات میں اتنا بڑا تغیّر کیوں کر آ گیا۔ مجھے اچھوتوں سے سخت نفرت تھی۔ ایک دن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھیل پر گئی۔ وہاں ایک اچھوت لڑکا نہا رہا تھا۔ ہم نے اسے پتّھر مار مار کر بیہوش کر دیا اور ایک دن ایک نیچ ذات مسافر ہمارے باغ کے پاس سے گزرا۔ اس نے نیچے گرے ہوئے چند آم اُٹھائے اور ہمارے نوکروں نے اُسے آٹھ پہر تک ایک درخت کے ساتھ باندھے رکھا۔ میں کئی دفعہ وہاں سے گزری اور تم حیران ہو گی کہ اسے بھوکا اور پیاسا دیکھ کر مجھے ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اب اگر میں وہاں گئی تو آس پاس کی بستیوں کے تمام اچھوتوں کو دعوت دوں گی کہ آؤ ہمارے باغ کے آم کھاؤ اور ہمارے کنوئیں کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی پیو! ان کی سب سے بڑی حسرت ہمارے مندروں میں آ کر ہمارے دیوتاؤں کی پوجا کرنی تھی اور میں

انھیں یہ پیغام دوں گی کہ مسلمان اس ملک میں وہ عبادت گاہیں تعمیر کرنے کے لیے آئے ہیں جن میں ایک اچھوت برہمن کے ساتھ بلکہ اس سے بھی آگے کھڑا ہو سکتا ہے!"

ناہید نے کہا "خدا تمھاری خواہش پوری کرے!"

(۵)

قلعے کو تمام فوج کی ضرورت کے لیے تنگ دیکھ کر محمدؒ بن قاسم نے قلعے سے باہر خیمے نصب کروا دیے۔ اپنی فوج کے زخمیوں کی طرح اس نے بھیم سنگھ کے فوج کے زخمی سپاہیوں کو بھی خیموں میں جگہ دی اور اپنی فوج کے طبیبوں اور جرّاحوں کو حکم دیا کہ دشمن کی فوج کے زخمیوں کے علاج میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ محمدؒ بن قاسم خود بھی علمِ جرّاحی اور طبابت میں خاصی دسترس رکھتا تھا وہ صبح شام زخمیوں کے خیموں میں چکّر لگاتا اور فرداً فرداً سب کا حال پوچھتا اور انھیں تسلّی دیتا۔ دشمن کے زخمیوں سے تبادلۂ خیالات کے لیے وہ سعد کو اپنا ترجمان بنا کر ساتھ لیے پھرتا۔ انھیں ملول و مغموم دیکھ کر وہ کہتا "تم بہت جلد اچھّے ہو جاؤ گے۔ یہ مت سمجھو کہ تم ہماری قید میں ہو۔ تندرست ہونے کے بعد تم جہاں چاہو جا سکتے ہو!"

وہ اس کی طرف احسان مندانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہتے "بھگوان کے لیے آپ ہمیں شرمسار نہ کریں۔ ہمیں آپ کو اس قدر تکلیف دینے کا حق نہیں، آپ آرام کریں!"

وہ جواب دیتا "نہیں! یہ میرا فرض ہے۔"

بھیم سنگھ کے ساتھ محمدؒ بن قاسم کو گہری دلچسپی تھی۔ وہ دونوں وقت

خود اس کے زخم دیکھتا اور اپنے ہاتھوں سے مرہم پٹّی کرتا۔ ناصرالدین اور زبیر ہر طریقے سے اس کی دلجوئی کرتے۔ بھیم سنگھ نے ابتدا میں یہ سمجھا کہ یہ سلوک اس کے ساتھیوں کو ورغلانے کے لیے مسلمانوں کی ایک چال ہے لیکن تین چار دن کے بعد وہ محسوس کرنے لگا کہ یہ تصنّع اور بناوٹ نہیں بلکہ محمدؒ بن قاسم اور اس کے ساتھی فطرتاً عام انسانوں سے مختلف ہیں!

اس کے زخم زیادہ خطرناک نہ تھے لیکن بہت سا خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کے جسم میں نقاہت آچکی تھی۔ محمدؒ بن قاسم کے علاج اور زبیر اور ناصرالدین کی تیمارداری کی بدولت وہ چوتھے دن چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا۔

پانچویں دن حسبِ معمول نمازِ عشاء کے بعد محمدؒ بن قاسم سعد کے ساتھ زخمیوں کے خیموں کا چکر لگاتے ہوئے بھیم سنگھ کے خیمے میں داخل ہوا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹا خواب کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔ ”نہیں نہیں!! مجھے دوبارہ اس کے مقابلے پر نہ بھیجیے! وہ انسان نہیں دیوتا ہے۔ آپ قیدیوں کو چھوڑ دیجیے۔ وہ آپ کی خطا معاف کر دے گا۔ نہیں —— نہیں —— میں نہیں جاؤں گا۔ راجہ کے پاپ کی سزا پرجا کو کیوں ملے۔ مجھے موت کا ڈر نہیں لیکن میری جان لے کر تم آنے والی مصیبت کو نہیں ٹال سکتے۔ ظالم —— بزدل اُف! بھگوان —— !“

بھیم سنگھ نے کپکپا کر آنکھیں کھول دیں اور حیرت زدہ ہو کر سعد اور محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھنے لگا۔ محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ تم کوئی بھیانک خواب دیکھ رہے تھے!“

بھیم سنگھ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے یہ ظاہر کرتے تھے کہ خواب کی حالت میں وہ سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔

محمدؒ بن قاسم نے آگے بڑھ کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ زخم میں تکلیف تو نہیں!“

اس نے اپنے ہونٹوں پر مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے جواب دیا۔ ”نہیں!“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”میری فوج کل صبح یہاں سے کوچ کرنے والی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض مصلحتیں مجھے یہاں زیادہ دیر قیام کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ ورنہ میں چند دن اور تمہاری تیمارداری کرتا۔ بہرصورت میں پانچسو سپاہی اس قلعے میں چھوڑ کر جا رہا ہوں، وہ تم لوگوں کا خیال رکھیں گے۔ تمھاری فوج کے جو زخمی تندرست ہو چکے ہیں، انھیں کل اپنے گھروں کو جانے کی اجازت ہو گی۔ تم جب تک گھوڑے کی سواری کے قابل نہیں ہوتے یہیں ٹھہرو!“

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”آپ کا مطلب ہے کہ آپ تمام قیدیوں کو رہا کر دیں گے؟“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”ہمارا مقصد لوگوں کو قیدی بنانا نہیں بلکہ ہم انھیں ایک ظالم حکومت سے نجات دلا کر ایک ایسے نظام سے آشنا کرنا چاہتے ہیں، جس کا بنیادی اصول مساوات ہے۔ آپ کے سپاہی ہمیں غیر ملکی حملہ آور سمجھ کر ہمارے مقابلے میں آئے تھے لیکن انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ ہماری جنگ وطن کے نام پر نہیں۔ قوم کے نام پر نہیں۔ ہم سندھ پر عرب کی برتری نہیں چاہتے۔ ہم روئے زمین کے تمام انسانوں کی بہتری کے لیے ایک عالم گیر انقلاب چاہتے ہیں۔ ایک انقلاب جو مظلوم کا سر اونچا رکھنے کے لیے ظالم کی لاٹھی چھین لینا چاہتا ہے۔ ہماری جنگ راجوں مہاراجوں کی جنگ نہیں۔ انسانوں اور بادشاہوں کی جنگ ہے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم سندھ کے راجہ کا تاج اُتار کر اپنے سر پر رکھ لیں۔ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی

شخص تاج و تخت کا مالک ہو کر دنیا پر اپنا قانون نافذ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ تاج و تخت خود غرض انسانوں کے تراشے ہوئے بُت ہیں اور وہ قانون جو صرف ان بُتوں کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے بنایا گیا ہو، انسانوں کو ہمیشہ دو جماعتوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک ظالم، دوسری مظلوم۔ تم ان جماعتوں کے لیے راجہ اور پرجا کے الفاظ استعمال کرتے ہو۔ سندھ کے راجہ نے ہمارے جہاز لُوٹ کر عورتوں اور بچّوں کو اس لیے قیدی بنایا کہ وہ تاج و تخت کا مالک ہوتے ہوئے ہر انسان پر ظلم کرنا اپنا حق سمجھتا ہے اور اب وہ ہمارا مقابلہ اس لیے کرے گا کہ اُسے ظلم کی تلوار چھن جانے کا خطرہ ہے اور یہ سپاہی ہمارے مقابلے میں اس لیے آئے ہیں کہ انھیں ظلم کی اعانت کا معاوضہ ملتا ہے۔ ان بیچاروں سے وہی کام لیا گیا ہے جو انسان سواری کے جانوروں سے لیتے ہیں، یہ مجبور تھے۔ ایک استبدادی نظام کی وجہ سے ان کے لیے زندگی کی راہیں تنگ تھیں اور یہ معمولی معاوضہ لے کر ظلم کی اعانت کے لیے اپنی جانیں تک بیچ ڈالنے کے لیے تیار تھے۔ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ جس انقلاب کی راہ میں یہ رکاوٹ بننا چاہتے ہیں، وہ ان کی بہتری کے لیے ہے۔ انھیں ہماری طرف سے خوفزدہ کیا گیا تھا۔ اب فتح کے بعد میں نہ خود ظالم بننا چاہتا ہوں، نہ انھیں مظلوم بنانا چاہتا ہوں!“

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”تو آپ کو یہ یقین ہے کہ یہ لوگ واپس جا کر راجہ کی فوجوں میں دوبارہ شامل نہیں ہو جائیں گے؟“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ واپس جا کر ان کا طرزِ عمل کیا ہو گا لیکن مجھے ان لوگوں سے کوئی خدشہ نہیں۔ مجھے خدا کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ کسی بلند مقصد کے لیے لڑنے والوں کی قوّت

بڑھتی ہے، کم نہیں ہوتی۔ اس سے پہلے کئی اقوام اپنے بادشاہوں کی حمایت میں ہمارے ساتھ لڑ چکی ہیں لیکن جب انھیں یہ احساس ہوا کہ ہمارے پاس ایک بہتر نظام ہے، تو وہ ہمارے ساتھ مل گئیں۔ آپ کے سپاہیوں میں سے وہ لوگ جنھیں خدا نے حق و باطل میں تمیز کی توفیق دی ہے۔ وہ یقیناً واپس جا کر ظلم کی ناؤ کو ڈوبنے سے بچانے کی کوشش نہیں کریں اور جو دوبارہ ہمارے مقابلے پر آنے کی جُرأت کریں گے۔ انھیں ایک دو اور معرکوں کے بعد اطمینان ہو جائے گا کہ ہماری تلواریں کند ہونے والی نہیں!“

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”آپ تاج و تخت کے دشمن ہیں اور آپ انسان پر انسان کی حکومت کے قائل نہیں لیکن جب تک کوئی حکومت نہ ہو ملک میں امن کیسے رہ سکتا ہے؟“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”اگر استبداد کا ڈنڈا مظلوم کی آواز اس کے گلے سے نہ نکلنے دے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ملک میں امن قائم ہو گیا میں تمھیں پہلے بتا چکا ہوں کہ ہم دنیا میں انسان کا قانون نہیں بلکہ خُدا کا قانون چاہتے ہیں۔“

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ ”قانون خواہ کوئی ہو، اسے نافذ کرنے والا بہر حال کوئی انسان ہو گا اور وہ راجہ اور بادشاہ نہ بھی کہلائے، تو بھی وہ حکمران ضرور ہو گا اور جب تک دنیا میں سرکش لوگ موجود ہیں۔ ایسے قانون کی حفاظت طاقت کے ڈنڈے کے بغیر ممکن نہیں!“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”یہ درست ہے لیکن اس قانون کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ اسے نافذ کرنے والی جماعت صالحین کی جماعت ہو۔ جب تک ہم صالحین کی جماعت سے تعلق رکھیں گے، خدا اپنے قانون کی حفاظت کا کام

ہم سے لے گا۔ کل اگر تمہارے ملک سے کوئی قوم صالحین کی جماعت بن جائے تو اس قانون کے نفاذ کی ذمہ داری وہ سنبھال لے گی لیکن طاقت کا ڈنڈا اسے اپنے اقتدار کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ اس قانون کی حفاظت کے لیے استعمال کرنے کی اجازت ہوگی۔ مسلمانوں کے امیر اور دوسری اقوام کے بادشاہوں میں یہ فرق ہے کہ وہ طاقت کا ڈنڈا ظالم کے خلاف مظلوم کی اعانت کیلیے کام میں لاتے ہیں اور بادشاہ اُسے فقط اپنے دائمی تسلّط کے لیے استعمال کرتے ہیں۔“

بھیم سنگھ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا۔ ”تو کیا مجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ واپس جانے کی اجازت ہوگی؟“

”میں شاید پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم تندرست ہونے کے بعد جب چاہو جا سکتے ہو۔“

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”میں سفر کے قابل ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو کل ہی روانہ ہو جاؤں!“

”ابھی تمہارے زخم ٹھیک نہیں ہوئے لیکن اگر تم کل ہی جانا چاہو تو میں تمہیں نہیں روکوں گا!“

بھیم سنگھ پھر تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا۔ ”لیکن آپ کو شاید معلوم نہ ہو۔ میں سندھ کے سیناپتی کا لڑکا ہوں اور میرا واپس جا کر فوج کے ساتھ شامل ہو جانا آپ کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر آپ مجھے چھوڑنے سے پہلے مجھ سے یہ وعدہ لینا چاہتے ہیں کہ میں دوبارہ آپ کے مقابلے پر نہ آؤں تو میں اس شرط پر جانے کے لیے تیار نہیں!“

”میں نے تم کو ایسا وعدہ کرنے کے لیے نہیں کہا۔ ہاں! میں تم سے فقط ایک بات کہوں گا۔ تم راجہ داہر کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اب ارور ہم سے دُور نہیں۔ اگر اس نے عرب قیدیوں کے ساتھ بُرا سلوک کیا تو اس کے لیے اچھّا نہ ہوگا۔“

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ ”میں یہ وعدہ کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ جب اسے میرے زخمی سپاہیوں کے ساتھ آپ کے سلوک کا پتہ چلے گا تو وہ یقیناً متاثر ہوگا!“

”میں نیکی کا بدلہ نہیں چاہتا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کی آنکھوں سے غُرور کی پٹی اُتار دو اور اسے یہ بھی بتا دو کہ وہ آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر کھڑا ہے۔ اس گفتگو کے دوران میں مَیں نے شاید کوئی تلخ بات کہہ دی ہو۔ اگر تمھیں کسی بات سے رنج پہنچا ہو تو مجھے ایک انسان سمجھ کر درگزر کرنا!“

محمدؒ بن قاسم یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل آیا۔ بھیم سنگھ بار بار اپنے دل میں یہ کہہ رہا تھا۔ ”تم انسان نہیں! دیوتا ہو!“

صبح کا ستارہ

چند دن بعد محمدؒ بن قاسم کی فوج دیبل سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال چکی تھی۔ رات کے تیسرے پہر اس نے اُٹھ کر نماز تہجد ادا کی اور زبیر کو ساتھ لے کر پڑاؤ کا ایک چکر لگایا۔ دن بھر کے تھکے ماندے سپاہی گہری نیند سو رہے تھے۔ پہریدار اپنی اپنی جگہ پر چوکس کھڑے تھے۔ سمندر کی نمی سے خنک ہوا میں چند ساعتیں سونے کی وجہ سے محمدؒ بن قاسم اپنے اعضا میں کسل محسوس کر رہا تھا۔ اس نے زبیر سے کہا۔ "آؤ زبیر! اس ٹیلے پر چڑھیں، دیکھیں اس چوٹی پر پہلے کون پہنچتا ہے۔ ہوشیار! ایک ——— دو ——— تین!"

دونوں بھاگتے ہوئے ٹیلے کی چوٹی کے قریب پہنچے۔ محمدؒ بن قاسم زبیر سے چند قدم آگے جا چکا تھا لیکن اُوپر سے پہریدار نے آواز دی۔ "ٹھہرو! کون ہے؟"

محمدؒ بن قاسم نے رُک کر جواب دیا۔ "محمدؒ بن قاسم!"

پہرے دار نے آواز پہچان کر کہا۔ "سالارِ اعظم! آپ مطمئن رہیں۔ ہم اپنے فرائض سے غافل نہیں!"

اتنی دیر میں زبیر بھی محمدؒ بن قاسم سے آ ملا۔

محمدؒ بن قاسم نے سمندر کی تر و تازہ ہوا میں چند سانس لیے اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ سولھویں رات کی چاندنی میں ستاروں کی چمک ماند پڑ چکی تھی۔ فضا میں اِدھر اُدھر اُڑنے والے جگنو صبح کے چراغ نظر آتے تھے۔ چاند کی روشنی نے نیلگوں سمندر کو ایک چمکتا ہوا آئینہ بنا دیا تھا۔ مشرق سے صبح کا ستارہ نمودار ہوا۔ محمدؒ بن قاسم نے زبیر کی طرف دیکھا اور کہا۔

"زبیر! دیکھو یہ ستارہ کس قدر اہم ہے لیکن اس کی زندگی کتنی مختصر ہے۔ یہ دنیا کو ہر صبح آفتاب کی آمد کا پیام دینے کے بعد روپوش ہو جاتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سورج کے چہرے سے تاریکی کا نقاب اُلٹ کر اپنے چہرے پر ڈال لیتا ہے لیکن اس کے باوجود جو اہمیّت اُسے حاصل ہے، وہ دوسرے ستاروں کو حاصل نہیں اگر یہ بھی دوسرے ستاروں کی طرح تمام رات چمکتا تو ہماری نگاہوں میں اس کا رُتبہ اس قدر بلند نہ ہوتا۔ ہم تمام رات آسمان پر کروڑوں ستارے دیکھتے ہیں لیکن یہ ستارا ہمارے لیے ان سب سے زیادہ جاذب توجّہ ہے عام ستاروں کی موت و حیات ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بالکل ان انسانوں کی طرح جو دنیا میں چند سال ایک بے مقصد زندگی بسر کرنے کے بعد مر جاتے ہیں اور دنیا کو اپنی موت و حیات کا مفہوم بتانے سے قاصر رہتے ہیں۔ زبیر! مجھے اس ستارے کی زندگی پر رشک آتا ہے۔ اس کی زندگی جس قدر مختصر ہے اسی قدر اس کا مقصد بلند ہے۔ دیکھو! یہ دنیا کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ میری عارضی زندگی پر اظہارِ تاسف نہ کرو۔ قدرت نے مجھے سورج کا ایلچی بنا کر بھیجا تھا اور میں اپنا فرض پورا کر کے جا رہا ہوں۔ کاش! میں بھی اس مُلک میں آفتابِ اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے صبح کے ستارے کا فرض ادا کر سکوں!"

زبیر، محمدؒ بن قاسم کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک بچے کی سی معصومیت، چاند کی سی دلفریبی، سورج کا سا جاہ و جلال اور صبح کے ستارے کی سی رعنائی اور پاکیزگی تھی۔

چند قدم کے فاصلے سے ایک پہریدار نے آواز دی۔ ”ٹھہرو! کون ہے؟“

نیچے سے جواب آیا۔ ”میں سعد ہوں۔“

محمدؒ بن قاسم نے چند قدم آگے بڑھ کر اسے سندھی لباس میں ٹیلے پر چڑھتے ہوئے دیکھ کر پہریداروں سے کہا۔ ”اسے میری طرف آنے دو!“

سعد نے ٹیلے پر چڑھ کر پڑاؤ کی طرف اترنا چاہا لیکن پہرے دار نے اُس کا راستہ روکتے ہوئے محمدؒ بن قاسم کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ ”پہلے اس طرف جاؤ۔“

سعد نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ”نہیں! میں سپہ سالار کو دیکھے بغیر کسی سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں۔“

محمدؒ بن قاسم نے آواز دی۔ ”سعد میں اِدھر ہوں!“

سعد نے چونک کر محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھا اور آگے بڑھا۔

محمدؒ بن قاسم نے سوال کیا۔ ”کہو کیا خبر لائے؟“

سعد نے جواب دیا۔ ”دیبل کی حفاظت کرنے والی فوج کی تعداد پچاس ہزار کے قریب ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سندھ کے باقی شہروں سے مزید کمک کے انتظار میں قلعہ بند ہو کر لڑنے کی کوشش کریں گے!“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”کیا یہ ممکن ہے کہ اگر ہم اس جگہ دو تین دن قیام کریں، تو وہ شہر سے پیش قدمی کر کے ہم پر حملہ کر دیں۔“

سعد نے جواب دیا۔ ”اس بات کے کوئی آثار نہیں۔ وہ لس بیلا کا پہاڑی

قلعہ فتح ہو جانے کے بعد ناہموار زمین پر لڑنا اپنے لیے مفید خیال نہیں کرتے۔“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”تو ہمیں کسی تاخیر کے بغیر پیش قدمی کر دینی چاہیے۔“

(۲)

دیبل کے محاصرے کو پانچ دن گزر چکے تھے۔ اس دوران میں محمدؒ بن قاسم کی فوج نے دبابوں کی مدد سے متعدد بار شہر کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی لکڑی کے دبابے جب شہر پناہ کے قریب پہنچتے، راجہ کے سپاہی ان پر جلتا ہوا تیل انڈیل دیتے اور مسلمانوں کو آگ کے شعلوں میں پیچھے ہٹنا پڑتا۔ محمدؒ بن قاسم اپنے ساتھ ایک بہت بڑی منجنیق لایا تھا۔ جسے پانچ سو آدمی کھینچتے تھے۔ اس منجنیق کا نام ”عروس“ مشہور ہو چکا تھا۔ پہاڑی راستے کے نشیب و فراز کا خیال کرتے ہوئے عروس کو سمندر کے راستے دیبل کے قریب لا کر خشکی پر اُتارا گیا اور محاصرے کے پانچویں دن محمدؒ بن قاسم کے سپاہی اسے دھکیل کر شہر پناہ کے سامنے لے آئے۔ اس سے قبل چھوٹی چھوٹی منجنیقیں شہر کی فصیل کو چند مقامات سے کمزور کر چکی تھیں۔ شہر کے سپاہی عروس کی غیر معمولی جسامت سے اس کی اہمیت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ شام سے پہلے عروس سے چند وزنی پتھر شہر میں پھینکے گئے اور راجہ نے یہ محسوس کیا کہ دیبل کی مضبوط فصیل زیادہ عرصہ اس مہیب ہتھیار کے سامنے نہ ٹھہر سکے گی۔

چھٹے روز علی الصباح محمدؒ بن قاسم نے عروس کی مدد سے شہر پر سنگ باری شروع کی۔ شہر کے درمیان ایک مندر کے بلند کلس پہ ایک سرخ رنگ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ مندر کے کلس کی طرح یہ جھنڈا بھی تمام جھنڈوں سے

اونچا تھا۔ محمدؒ بن قاسم کو اس جھنڈے کی اہمیت کا احساس ہوا اور ایک روایت کے مطابق دیبل کے گورنر کے ہاتھوں ستائے ہوئے ایک برہمن نے شہر سے فرار ہو کر محمدؒ بن قاسم کو اطلاع دی کہ جب تک یہ جھنڈا نہیں گرتا، شہر کے لوگ ہمّت نہیں ہاریں گے۔

محمدؒ بن قاسم کو منجنیق کے استعمال میں غیر معمولی مہارت تھی۔ چنانچہ اس نے عروس کا رُخ درست کر کے سپاہیوں کو پتھر پھینکنے کا حکم دیا۔ بھاری پتھر کی ضرب نے کلس کے ٹکڑے اُڑا دیے اور اس کے ساتھ سُرخ جھنڈا بھی نیچے آ رہا۔

اس کلس کے مسمار ہونے اور جھنڈے کے گرنے سے راجہ کے توہم پرست سپاہیوں کے حوصلے ٹُوٹ گئے۔ تاہم انھوں نے شام تک مسلمانوں کی فوج کو قلعے کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ شام کے دُھندلکے میں فصیل کے تیراندازوں کی مدافعت کمزور ہونے لگی۔ محمدؒ بن قاسم نے ایک فیصلہ کن حملے کا حکم دیا اور اس کے سپاہی اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے دبابوں، سیڑھیوں اور کمندوں کی مدد سے قلعے کی دیواروں پر چڑھنے لگے۔

راجہ کی فوج نے رات کے تیسرے پہر تک مقابلہ کیا لیکن اتنی دیر میں مسلمانوں کی فوج کے سینکڑوں سپاہی فصیل پر چڑھ چکے تھے اور منجنیق کی سنگ باری کی بدولت قلعے کی دیوار بھی ایک مقام سے ٹوٹ چکی تھی۔

راجہ داہر نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہی شہر کا مشرقی دروازہ کھلوا دیا اور ہاتھیوں کی مدد سے فوج کے لیے راستہ صاف کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ مسلمان شہر پناہ کے چاروں طرف منقسم ہونے کی وجہ سے دروازے پر مؤثر مزاحمت نہ کر سکے۔ ہاتھی مشرقی دروازے کے سامنے سے ان کے مورچے توڑتے ہوئے آگے نکل گئے اور ان کے پیچھے راجہ کی تیس ہزار فوج لڑتی بھڑتی نکل گئی۔ محمدؒ بن قاسم کی فوج نے چاروں طرف سے سمٹ کر دروازے پر حملہ کر دیا اور باقی سپاہیوں کے راستے میں مضبوط صفیں کھڑی کر دیں۔ انھوں نے راجہ کی محبّت سے زیادہ اپنے انجام سے خوفزدہ ہو کر باہر نکلنے کا راستہ صاف کرنے کے لیے چند زوردار حملے کیے لیکن مسلمانوں نے آن کی آن میں دروازے کے سامنے لاشوں کے ڈھیر لگا دیے۔ وہ بددل ہو کر پیچھے ہٹے اور مسلمانوں کی فوج پانی کے ایک زبردست ریلے کی طرح شہر کے اندر داخل ہو گئی۔

اتنی دیر میں کئی دستے مختلف راستوں سے شہر پناہ کے اندر داخل ہو چکے تھے۔

راجہ کی بچی کھچی فوج نے چاروں اطراف سے اللہ اکبر کے نعرے سُن کر ہتھیار ڈال دیے ؛

(۳)

محمدؒ بن قاسم نے اپنی فوج کے ساتھ دیبل کے گورنر کے محل میں صبح کی نماز ادا کی اور طلوعِ آفتاب کے وقت دیبل کے دہشت زدہ باشندے اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر فاتح افواج کے سترہ سالہ سپہ سالار کا جلوس دیکھ رہے تھے۔ قلعہ کی فتح کے بعد محمدؒ بن قاسم نے جن اسیرانِ جنگ کو آزاد کیا تھا اور جن زخمیوں کی مرہم پٹی کی تھی، وہ عوام کو ہندوستان میں ایک نئے دیوتا کی آمد کا پیغام دے چکے تھے۔ اس کی نوجوانی شجاعت، عفو اور رحم کے متعلق ایسی داستانیں مشہور ہو چکی تھیں جن کی صداقت پر استبدادی حکومت کے ستائے

ہوئے عوام اعتبار کرنے کو تیار نہ تھے۔ گزشتہ چند دنوں میں دیبل کے شہریوں کو راجہ کی فوج کے سپاہی سخت اذیتیں دے چکے تھے۔ دیبل میں راجہ کی فوجوں کی آمد کے بعد ان کے گھر اپنے گھر نہ تھے۔ سپاہی رات کے وقت شراب کے نشے میں بدمست ہو کر لوگوں کے گھروں میں آ گھستے اور لوٹ مار کر کے نکل جاتے۔ صبح کے وقت شرم و حیا کی دیویاں پھٹے ہوئے پیرہن اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ بازاروں میں گشت لگانے والے افسروں کو اپنی مظلومیت کے قصّے سنائیں لیکن انھیں شرمناک قہقہوں کے سوا کوئی جواب نہ ملتا۔

اپنے راجہ کی فوج کا یہ سلوک دیکھ کر دیبل کے باشندے محمدؒ بن قاسم کے عفو و رحم کے متعلق کئی داستانیں سُننے کے باوجود فاتح لشکر سے نیک سلوک کی توقع رکھنے کے لیے تیار نہ تھے لیکن جب محمدؒ بن قاسم کی فوج اپنے سالار کی طرح نگاہیں نیچے کیے دیبل کے ایک بازار سے گزر رہی تھی اُن کے شبہات آہستہ آہستہ دور ہونے لگے اور مردوں کے علاوہ عورتیں بھی مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر کھڑی ہو گئیں۔ جب محمدؒ بن قاسم شہر کا چکر لگانے کے بعد دوبارہ محل کے قریب پہنچا۔ ایک نوجوان لڑکی نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی، اور ہونٹ بھینچتے ہوئے محمدؒ بن قاسم کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ خوبصورت چہرے پر خراشوں کے نشان تھے۔ آنکھیں غم و غصّے کے باعث سُرخ تھیں۔ محمدؒ بن قاسم کو وہ گلاب کے ایک ایسے پھول سے مشابہ نظر آئی جسے کسی کے بے رحم ہاتھوں نے مسل ڈالا ہو۔

اس نے ترجمان کی وساطت سے کہا ”خاتون! اگر یہ میرے کسی سپاہی کا فعل ہے تو میں اسے تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر دوں گا!“

لڑکی نے نفی میں سر ہلایا اُس کے ہونٹ کپکپائے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے بہہ نکلے۔

ایک عُمر رسیدہ اور باوضع آدمی آگے بڑھا اور اس نے ہاتھ باندھ کر کہا ”اَن داتا! یہ اُن کئی مظلوم لڑکیوں میں سے ایک ہے، جو راجہ کے سپاہیوں کی بربریّت کا شکار ہو چکی ہیں، آپ سے انصاف مانگنے آئی ہے!“

ناصر الدین نے اس عمر رسیدہ شخص کی ترجمانی کرتے ہوئے محمدؒ بن قاسم کو یہ بتایا کہ یہ دیبل کا پروہت ہے۔

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا ”آپ میرے سامنے ہاتھ نہ باندھیں، اس لڑکی کی دادرسی میرا سب سے پہلا فرض ہے۔ راجہ کے بارہ ہزار سپاہی ہماری قید میں ہیں، آپ اسے وہاں لے جائیں۔ اگر مجُرم ان میں سے کوئی ہوا تو میں اُسے آپ کے حوالے کر دوں گا۔ ورنہ میں اس ملک کی آخری حدود تک اس کا تعاقب کروں گا!“

لڑکی نے کہا ”میرا مجرم دیبل کا گورنر ہے۔ اس نے پرسوں میرے پتا کو قید کر لیا تھا اور مجھے“۔ یہاں تک کہہ کر اس کی آواز بھرّا گئی اور آنکھوں سے پھر ایک بار آنسو بہنے لگے۔ محمدؒ بن قاسم نے اپنے ایک سالار کو بلا کر کہا۔ ”میں دیبل کے تمام قیدیوں کو آزاد کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ تم قید خانے کے دروازے کھلوا دو!“

(۴)

اگلے دن دیبل کے سب سے بڑے مندر کا پروہت پجاریوں کے سامنے عرب کے ایک نوجوان کے روپ میں بھگوان کے ایک نئے اوتار

کی آمد کا پرچار کر رہا تھا اور دیبل کا سب سے بڑا سنگ تراش دیبل کے محسن کے لیے محبت اور عقیدت کے جذبات سے سرشار ہو کر شہر کے بڑے مندر کی زینت میں اضافہ کرنے کیلیے عرب کے کمسن اور نوجوان سالار کی مورتی تراش رہا تھا۔

محمدؒ بن قاسم نے جنگ میں مقتولین کے ورثا کے لیے معقول وظائف مقرر کیے۔ ناصرالدین کو دیبل کا گورنر مقرر کیا ایک گرانقدر رقم اس مندر کی مرمت کے لیے مخصوص کی جو منجنیق کے پتھر کا نشانہ بن کر مسمار ہو چکا تھا۔

دس دن بعد اس نے نیرون کا رُخ کیا۔ اس عرصہ میں اس کے حسنِ سلوک سے دیبل کے باشندوں پر اس کی تلوار کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔ رخصت کے وقت ہزاروں مردوں، عورتوں اور بوڑھوں نے احسان مندی کے آنسوؤں کے ساتھ اسے الوداع کہی۔ اس کی فوج میں دیبل کے پانچہزار سپاہی شامل ہو چکے تھے۔

محمدؒ بن قاسم نے رخصت ہونے سے پہلے زبیر، ناہید، خالد اور زہرا کو ناصرالدین کے ساتھ ٹھہرنے کی اجازت دی لیکن انھوں نے شہر کے محلّات میں آرام کرنے کی بجائے جنگ کے میدانوں میں بے آرامی کے دن اور راتیں کاٹنے کو ترجیح دی۔ تاہم زبیر اور خالد نے محمدؒ بن قاسم کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ناہید اور زہرا کو دیبل میں چھوڑ دیا۔

سندھ کا نیا سپہ سالار

نیرون کے ایک وسیع کمرے میں راجہ داہر سونے کی ایک کرسی پر رونق افروز تھا۔ اودھے سنگھ سندھ کی افواج کا سیناپتی اور جے سنگھ سندھ کا ولی عہد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اودھے سنگھ نے کہا "مہاراج! اگر اجازت ہو تو بھیم سنگھ کو اندر بلاؤں؟"

راجہ نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "میں اس کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔ اگر وہ تمھارا بیٹا نہ ہوتا تو میں اسے مست ہاتھی کے آگے ڈلوا دیتا۔"

اودھے سنگھ نے کہا۔ "مہاراج! وہ بے قصور ہے۔ اگر ہم پچاس ہزار فوج کے ساتھ دیبل کی حفاظت نہیں کر سکے تو وہ بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ اس کا راستہ کیسے روک سکتا تھا؟"

"لیکن یہ دعویٰ کر کے گیا تھا کہ دشمن کو پہاڑی علاقے سے آگے نہیں بڑھنے دے گا۔ اس نے یہ کہا تھا کہ اگر دشمن کی فوج ہمارے بیس ہزار سپاہیوں کے پتھروں کی بارش میں دب کر نہ رہ گئی تو واپس آ کر منہ نہیں دکھائے گا!"

"مہاراج! میں نے کبھی اس کی تائید نہیں کی۔ مجھے دشمن کی شجاعت کے

متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ اگر دیبل میں ہماری پچاس ہزار فوج کے تیروں کی بارش میں کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ سکتے تھے تو بیس ہزار سپاہیوں کے پتھر انھیں پہاڑیوں پر قبضہ جمانے سے نہیں روک سکتے تھے۔“

راجہ نے گرج کر کہا ”میرے سامنے دیبل کے پچاس ہزار سپاہیوں کا نام نہ لو۔ اُن میں نصف کے قریب دیبل کے ڈرپوک تاجر تھے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ پرتاپ رائے نے دیبل کے خزانے سے سپاہیوں کی بجائے بھیڑیں پال رکھی ہیں۔“

اودھے سنگھ نے کہا ”مہاراج! میں شروع سے اس بات کے خلاف تھا کہ آپ دیبل جائیں۔ راجہ کا شکست کھا کر بھاگنا فوجوں پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے!“

راجہ نے کہا ”بھگوان کا شکر ہے کہ میں نے تمھارا کہا نہیں مانا۔ ورنہ یہ تیس ہزار فوج بھی یہاں بچ کر نہ پہنچتی!“

اودھے سنگھ نے کہا ”مہاراج! اگر آپ بھاگنے میں جلد بازی سے کام نہ لیتے تو......“

راجکمار جے سنگھ نے اودھے سنگھ کا فقرہ پُورا نہ ہونے دیا اور چلا کر کہا۔ ”اودھے سنگھ! ہوش میں آکر بات کرو۔ مہاراج کو اس لیے دیبل چھوڑنا پڑا کہ ان کے ساتھی تمھاری طرح نکمّے اور بُزدل تھے۔“

اودھے سنگھ کی قوّتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ تاہم اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا ”راجکمار! آپ جانتے ہیں کہ بھیم سنگھ بُزدل نہیں، وہ آپ کے ساتھ کھیلا ہے!“

”وہ بزدل نہیں لیکن بے وقوف ضرور ہے۔ پھر بھی میں پتاجی سے کہوں

گا کہ اُسے یہاں حاضر ہونے کا موقع دیں!“

راجہ نے جے سنگھ کی طرف دیکھا اور پھر اودھے کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”بلاؤ اُسے!“

اودھے سنگھ نے دروازے پر ایک سپاہی کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر میں بھیم سنگھ اندر داخل ہوا اور آداب بجا لانے کے بعد ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا!

راجہ نے پوچھا ”تم شکست کے بعد سیدھے دیبل کیوں نہ پہنچے؟“

بھیم سنگھ نے جواب دیا ”مہاراج! مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ دیبل پہنچ جائیں گے اور میں نے آپ سے چند ضروری باتیں عرض کرنے کے لیے نیرون پہنچنا ضروری خیال کیا۔“

”لیکن تمھارا فرض تھا کہ تم رہی سہی فوج کے ساتھ دیبل پہنچتے۔“

”مہاراج کو شاید معلوم نہیں کہ میں زخمی ہونے کے بعد چند دن دشمن کی قید میں رہا اور جب میں آزاد ہوا، میرے ساتھ صرف چند سپاہی تھے اور انھیں کسی محفوظ مقام پر پہنچانا میرا فرض تھا!“

راجہ نے کہا ”بھیم سنگھ! دیبل اور بیلا کی جنگوں میں ہماری شکست کے ذمہ دار فقط تم ہو۔ اگر تم پہاڑوں میں دشمن کا راستہ روک سکتے تو ہمیں دیبل میں ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ میں نے تمھارے باپ کی مرضی کے خلاف تمھیں یہ موقع دیا تھا۔ اب میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ آئندہ کوئی مہم تمھارے سپرد نہ کی جائے۔“

بھیم سنگھ نے جواب دیا ”مہاراج! میں خود بھی کوئی ذمہّ داری سنبھالنے کے لیے تیار نہیں!“

راجہ نے آنکھیں پھاڑ کر بھیم سنگھ کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں کہا ”تو

یہاں کیا لینے آئے ہو؟“

اودھے سنگھ نے اپنے بیٹے کے جواب سے پریشان ہو کر کہا۔ ”مہاراج! بھیم سنگھ کا مطلب یہ ہے کہ اسے بڑے عہدے کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ کی فتح کے لیے ایک سپاہی کی حیثیت میں لڑنا بھی اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ بھیم سنگھ! اَن داتا تم سے خفا ہیں، اُن کے پاؤں پکڑ لو!“

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ ”پتاجی! ان داتا کی تعظیم سر آنکھوں پر لیکن میں ان کے سامنے جھُوٹ نہیں بول سکتا۔ میں زخمی تھا اور دشمن کے سپہ سالار نے اپنے ہاتھوں سے میری مرہم پٹی کی۔ میری جان بچائی اور مجھُ سے دوبارہ اپنے مقابلے پر نہ آنے کا وعدہ لیے بغیر آزاد کر دیا۔ مجھے یہاں پہنچنے کے لیے اپنا گھوڑا دیا۔“

اودھے سنگھ نے مداخلت کی۔ ”مہاراج! ہمارا دشمن بہت ہوشیار ہے۔ اس کا خیال یہ ہوگا کہ وہ اس طرح چاپلوسی کر کے بھیم سنگھ کو ورغلا سکے گا لیکن اُسے کیا معلوم کہ بھیم سنگھ کے باپ دادا آپ کے نمک خوار ہیں اور اس کی رگوں میں راجپوت کا خون ہے اور یہ آپ کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دے گا!“

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”پتاجی! اگر وہ میری جان نہ بچاتا تو میرے خون کا آخری قطرہ میدانِ جنگ میں بہہ چکا ہوتا۔ میں نہیں جانتا کہ اس نے میری جان کس نیت سے بچائی ہے لیکن میں اس کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا!“

بھیم سنگھ نے اپنی تلوار اتار کر راجہ کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”مہاراج! یہ مجھے آپ نے عطا کی تھی لیجیے!“

راجہ غصّے سے کانپنے لگا اور راجکمار جے سنگھ نے بھیم کے ہاتھ سے تلوار

چھینتے ہوئے کہا۔ ”بزدل! کمینہ!!“

اودھے سنگھ کہہ رہا تھا۔ ”بھیم سنگھ! تمھیں کیا ہو گیا۔ مہاراج سے معافی مانگو، وہ تمھاری تقصیر معاف کر دیں گے۔ بھیم سنگھ! مجھے شرمسار نہ کرو۔ دنیا کیا کہے گی۔ تم تو کہتے تھے کہ تم مہاراج کو جنگ کے متعلق ایک ضروری مشورہ دینے کے لیے آئے ہو۔ مہاراج! مہاراج!! میرا بیٹا بے قصور ہے۔ دشمن نے اس پر جادو کر دیا ہے!“

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”ہاں مہاراج! اس نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔ اگر آپ نے اسے سمجھنے کی کوشش نہ کی تو کسی دن اس کا جادو تمام سندھ پر چھا جائے گا۔ مہاراج! میں آپ کو اس کے جادو سے بچنے کا طریقہ بتانے کے لیے آیا تھا!“

اودھے سنگھ نے چلّا کر کہا۔ ”بھیم سنگھ! بھگوان کے لیے جاؤ!“

راجہ نے کہا۔ ”اودھے سنگھ! تم اب خاموش رہو۔ تمھارا بیٹا ہماری اجازت سے یہاں آیا ہے اور ہماری اجازت کے بغیر نہیں جا سکتا۔ ہاں بھیم سنگھ! تم ہمیں دشمن کے جادو سے بچنے کا طریقہ بتا رہے تھے؟“

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”مہاراج! وہ یہ ہے کہ آپ عرب اور سراندیپ کے قیدیوں کو دشمن کے حوالے کر دیں۔ ورنہ ہمارے خلاف جو طوفان عرب سے اٹھا ہے، وہ مجھے رُکنے والا نظر نہیں آتا!“

راجہ اچانک کرُسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ”تم دشمن کے طرفدار بن کر مجھ پر اس کی طاقت، کا رُعب جمانے کے لیے آئے ہو؟“

بھیم سنگھ نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”مہاراج! آپ دیبل میں اسے دیکھ چکے ہیں!“

راجہ نے چلّا کر کہا۔ ”دیبل! دیبل!! میرے سامنے دیبل کا ذکر نہ کرو۔ وہاں مندر کا کلس گر جانے سے تمھارے جیسے بزدل سپاہیوں نے ہمّت ہار دی تھی۔“

”مہاراج! میں بُزدل نہیں!“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں بُزدل ہوں۔ کوئی ہے؟“

ادھے سنگھ نے ہاتھ باندھ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مہاراج! مہاراج! اس کی خطا معاف کیجیے۔ ہم سات پشتوں سے آپ کے خاندان کی خدمت کر رہے ہیں۔“

راجہ نے جھلّا کر جواب دیا۔ ”مجھے تمھارے خاندان کی خدمات کی ضرورت نہیں!“

پندرہ بیس سپاہی ننگی تلواریں لیے کمرے میں داخل ہوئے اور راجہ کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ راجہ نے بھیم سنگھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اسے لے جاؤ اور نیرون کے قید خانے کی سب سے تاریک کوٹھڑی میں رکھو!“

ادھے سنگھ نے کہا۔ ”مہاراج! اس کی خطا معاف کیجیے! یہ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔“

جے سنگھ نے آگے بڑھ کر راجہ کے کان میں کچھ کہا اور اس نے ادھے سنگھ کو جواب دیا۔ ”تم بھی اس کے ساتھ جا سکتے ہو۔ سندھ کو تمھارے جیسے سپہ سالار کی ضرورت نہیں!“

عقب کے کمرے کا پردہ اُٹھا اور لاڈھی رانی جلدی سے راجہ کے قریب آکر کہنے لگی۔ ”مہاراج! آپ کیا کر رہے ہیں۔ ادھے سنگھ فوج کا سیناپتی ہے۔ اور فوج اس کے ساتھ بُرا سلوک برداشت نہ کرے گی!“

جے سنگھ نے جلدی سے جواب دیا۔ ”جب فوج کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ باپ بیٹا دشمن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، وہ سب کچھ برداشت کر لے گی!“

رانی نے کہا۔ ”بیٹا! دشمن سر پر کھڑا ہے۔ یہ آپس میں پھُوٹ ڈالنے کا وقت نہیں!“

جے سنگھ نے جواب دیا۔ ”دشمن کی آخری منزل دیبل تھی۔ وہ دریائے سندھ کو کبھی عبور نہیں کر سکے گا۔ پتا جی! آپ فکر نہ کریں۔ چند دنوں میں ملتان سے لے کر قنوج تک تمام راجہ اور سردار ہماری مدد کے لیے پہنچ جائیں گے اور ہم دشمن کو ایسی شکست دیں گے جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگی۔ میرا یہ مشورہ ہے کہ ان دونوں کو یہاں رکھنے کی بجائے اَرُوڑ بھیج دیا جائے۔

سپاہیو! کیا دیکھتے ہو۔ تم نے مہاراج کا حکم نہیں سنا؟ انھیں لے جاؤ!“

سپاہی آگے بڑھے لیکن ادھے سنگھ نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے اپنی تلوار اتار دی اور جے سنگھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”یہ لیجیے! یہ سیناپتی کی تلوار ہے۔ مجھے دشمن پر سندھ کی فوج کی فتح سے زیادہ کسی اور بات کی خواہش نہیں!“

جے سنگھ نے اس کے ہاتھ سے تلوار پکڑنے کی بجائے چھینتے ہوئے کہا۔ ”فتح کے لیے ہمیں تمھاری دعاؤں کی ضرورت نہیں!“

شام کے وقت ادھے سنگھ اور بھیم سنگھ چند سپاہیوں کی حراست میں اروڑ کا رُخ کر رہے تھے اور نیرون کے مندروں میں فوج کے نئے سیناپتی جے سنگھ کی فتح کے لیے دُعائیں ہو رہی تھیں۔

(۲)

راجہ کے حکم کے مطابق بھیم سنگھ اور ادھے سنگھ کو ارور کے قید خانے کی ایک زمین دوز کوٹھری میں بند کیا گیا۔ اس کوٹھڑی میں ایک قیدی پہلے ہی موجود تھا۔ اس نے دو نئے قیدیوں کو دیکھتے ہی ٹوٹی پھوٹی سندھی زبان میں کہا۔ "جگہ تنگ ہے۔ تاہم ہم تینوں گزارہ کر سکتے ہیں۔ تم کون ہو؟ اور یہاں کیسے آئے؟"

بھیم سنگھ اور ادھے سنگھ نے جواب دینے کی بجائے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قیدی کو دیکھنے کی کوشش کی۔

قیدی نے کہا۔ "شاید آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن آپ بہت جلد تاریکی میں دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے۔ بیٹھ جائیے! آپ تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ دونوں شاید باپ بیٹا ہیں؟"

ادھے سنگھ اور بھیم سنگھ تاریکی میں ہاتھ پھیلا کر سنبھل سنبھل کر پاؤں اٹھاتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

قیدی نے پھر کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی میری طرح بے گناہ ہیں۔ معاف کرنا۔ شاید آپ کو میری باتیں ناگوار محسوس ہوں لیکن کئی مہینوں سے میں نے کسی انسان سے بات نہیں کی۔ اس لیے آپ کو دیکھ کر میرے دل میں اپنی بپتا سنانے اور آپ کی سننے کی خواہش کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے میں ابتدائی چھ مہینے اس تہ خانے سے اوپر ایک کشادہ کمرے میں تھا۔ وہاں میرے ساتھ آپ کے ملک کے چھ اور قیدی تھے۔ میں نے آپ کی زبان انھی سے سیکھی تھی۔ اگرچہ مجھے اس زبان پر عبور حاصل نہیں ہوا۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ میں

اپنا مطلب بیان کر سکتا ہوں۔ آپ میرا مطلب سمجھتے ہیں نا؟"

بھیم سنگھ نے کہا۔ "تم اچھی خاصی سندھی جانتے ہو!"

قیدی نے بھیم سنگھ کی متجسّس نگاہیں دیکھ کر کہا۔ "شاید آپ مجھے ابھی تک اچھّی طرح نہیں دیکھ سکے۔ میں قریب آجاتا ہوں!"

قیدی نے ایک کونے سے اٹھ کر بھیم سنگھ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں! اب آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ میں عرب کا ایک مسلمان ہوں۔ آپ کو میرا قریب بیٹھنا ناگوار تو نہیں؟"

بھیم سنگھ نے کہا۔ "تم عرب ہو؟ لیکن عرب کے قیدی تو برہمن آباد میں تھے؟"

قیدی نے جواب دیا۔ "وہ کوئی اور ہوں گے۔ میں شروع سے اس قید خانے میں ہوں!"

ادھے سنگھ نے پوچھا۔ "تم سراندیپ سے آئے تھے؟ اور تمھارا جہاز دیبل کے قریب ڈوبا تھا؟ تمھارا نام ابوالحسن ہے؟"

قیدی نے جلدی سے جواب دیا۔ "ڈوبا نہیں، ڈبویا گیا تھا اور ہاں آپ برہمن آباد کے عرب قیدیوں کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ اس ملک میں کیسے آئے؟ میرے جہاز سے تو صرف چار آدمی بچے تھے۔ دو زخمی تھے۔ وہ دیبل سے ارور تک پہنچنے سے پہلے ہی جاں بحق ہو گئے۔ تیسرا جس کے زخم معمولی تھے وہ میرے ساتھ اس قید خانے میں مر گیا تھا!"

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ "تمھارے جہاز کے بعد سراندیپ سے دو اور جہاز آئے تھے۔ دیبل کے گورنر نے انھیں بھی گرفتار کر لیا تھا!"

"وہ یہاں کیا لینے آئے تھے؟"

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ "وہ سراندیپ سے اپنے ملک جا رہے تھے!"

”آپ اُن میں سے کسی کا نام جانتے ہیں؟“

”ان جہازوں کے کپتان کو میں جانتا ہوں۔ اُس کا نام زبیر ہے اور وہ آزاد ہو چکا ہے!“

”زبیر؟ سراندیپ میں اس نام کا کوئی عرب نہ تھا، وہ شاید کسی اور کے جہاز ہوں گے!“

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”زبیر کو بصرہ کے حاکم نے عرب کی بیوہ عورتیں اور لاوارث بچّے لانے کے لیے سراندیپ بھیجا تھا!“

قیدی نے بے تاب سا ہو کر کہا۔ ”عورتیں اور بچّے؟ آپ ان میں سے کسی کا نام جانتے ہیں؟“

”اُن میں سے ایک نوجوان کا نام خالد ہے لیکن وہ قید میں نہیں۔“

”خالد! خالد! میرا بیٹا!!! وہ کہاں ہے؟“

”وہ اس وقت دیبل میں ہو گا!“

”دیبل میں؟ وہ وہاں کیا کرتا ہے۔ سچ کہو تم نے اسے دیکھا ہے؟“

”میں نے اسے لس بیلا میں مسلمانوں کے ساتھ دیکھا تھا اور اب وہ دیبل فتح کر چکے ہیں!“

ابوالحسن پر تھوڑی دیر کے لیے سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یکے بعد دیگرے بھیم سنگھ اور اودھے سنگھ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”سچ کہو، مجھ سے مذاق نہ کرو!“۔

اودھے سنگھ بولا۔ ”وہ جن کے ساتھ قدرت مذاق کر رہی ہو دوسروں کے ساتھ مذاق کی جرأت نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کی فوج دیبل فتح کر چکی ہے اور انہیں یہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی“۔

ابوالحسن دیر تک کوئی بات نہ کر سکا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ خوشی کے آنسو — تشکّر کے آنسو — لیکن اچانک اس نے بھیم سنگھ کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”سراندیپ میں میری بیوی اور ایک بیٹی بھی تھی۔ تم ان کے متعلق کچھ جانتے ہو؟“

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ ”آپ کی بیوی کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں۔ شاید وہ برہمن آباد کے قیدیوں کے ساتھ ہو لیکن جب میں لس بیلا میں زخمی ہونے کے بعد مسلمانوں کی قید میں تھا، اس وقت زبیر کے ساتھ خالد کی بہن کی شادی ہوئی تھی“۔

”تو سلمیٰ بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ وہ یقیناً ان کے ساتھ ہو گی!“

اودھے سنگھ نے پوچھا۔ ”سلمیٰ کون ہے؟“

”میری بیوی۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ مسلمانوں کی فوج نے سندھ پر کب اور کیسے حملہ کیا؟“

اودھے سنگھ نے اس کے جواب میں مختصراً محمد بن قاسم کے حملے کے واقعات بیان کیے۔ بھیم سنگھ نے ذرا تفصیل کے ساتھ یہ داستان دہرائی اور اس کے بعد ابوالحسن نے آپ بیتی سنائی۔ غرض شام تک یہ تینوں قیدی گہرے دوست بن گئے اور قید سے رہا ہونے کی تدابیر سوچنے لگے۔

(۳)

دیبل سے نیرون کی طرف محمدؒ بن قاسم کی پیش قدمی کی خبر ملنے پر راجہ داہر نے اپنے سرداروں اور فوج کے عہدہ داروں سے مشورہ طلب کیا۔ سب نے جے سنگھ کی اس تدبیر سے اتفاق کیا کہ عربوں سے فیصلہ کن جنگ دریائے سندھ

کے پار برہمن آباد کے قریب لڑی جائے۔ نیرون میں صرف اس قدر فوج رکھی جائے جو چند دن کے لیے محمدؒ بن قاسم کی پیش قدمی روکنے کے لیے کافی ہو اور اس عرصے میں راجہ اور سیناپتی کو برہمن آباد میں ایک زبردست فوج تیار کرنے کا موقع مل جائے گا۔

موسم گرما شروع ہو چکا تھا اور راجہ داہر کو یہ بھی توقع تھی کہ طغیانی کے دنوں میں دریائے سندھ کی سرکش موجیں دیکھ کر محمدؒ بن قاسم آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرے گا اور اسے سندھ کے طول و عرض سے نئی افواج فراہم کرنے کے علاوہ ہمسایہ ریاستوں سے مدد حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ چنانچہ اس نے نیرون کے ایک بااثر برہمن کو جو شہر کا سب سے بڑا پروہت ہونے کے علاوہ فوجی معاملات میں بھی دسترس رکھتا تھا۔ نیرون کی حفاظت کے لیے منتخب کیا، اور اس کے پاس آٹھ ہزار سپاہی چھوڑ کر جے سنگھ اور باقی فوج کے ہمراہ برہمن آباد کا رُخ کیا۔

محمدؒ بن قاسم کی فوج نے اس پروہت کی توقع سے پانچ دن پہلے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ منجنیق کے بھاری پتھروں کی بارش سے شہر کی مضبوط فصیل لرز اٹھی اور تیسرے دن جب دبابوں کی مدد سے شہر پناہ پر حملے کرنے والی فوج کے مقابلے میں شہر کے محافظین کی قوّتِ مزاحمت جواب دے رہی تھی۔ شہر کے باشندوں کو احساس ہوا کہ راجہ نے اس پروہت کی فوجی قابلیّت کے متعلق غلط اندازہ لگایا تھا۔ چوتھے دن محمدؒ بن قاسم کی فوج شہر پر ایک فیصلہ کن حملے کی تیاری کر رہی تھی کہ شہر کا دروازہ کھلا اور چند پروہت صلح کا جھنڈا لہراتے ہوئے باہر نکلے۔

شہر پر قبضہ کرنے کے بعد محمدؒ بن قاسم نے نیرون کے باشندوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جس کی بدولت وہ دیبل کے باشندوں کے قلوب مسخّر کر چکا تھا۔ نیرون کا نظم و نسق ٹھیک کرنے کے بعد محمدؒ بن قاسم نے سیون کا رُخ کیا۔ سیون کا گورنر راجہ داہر کا بھتیجا باج رائے تھا اور شہر کی زیادہ آبادی برہمن پروہتوں اور تاجر پیشہ لوگوں پر مشتمل تھی۔ ایک ہفتے کے محاصرے کے بعد باج رائے رات کے وقت شہر سے بھاگ نکلا اور شہر کے باشندوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

سیون کی فتح کے بعد محمدؒ بن قاسم کے بعض آزمودہ کار سالاروں نے اسے مشورہ دیا کہ اب دریا عبور کر کے برہمن آباد کا رُخ کیا جائے تاکہ راجہ کو مزید تیاری کے لیے وقت نہ ملے لیکن محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا کہ دریا کے اس کنارے پر سوستان ایک اہم شہر ہے اور اس وقت جب کہ راجہ کی تمام کوشش برہمن آباد کا محاذ مضبوط بنانے پر لگی ہوئی ہے۔ ہم نیرون اور سیون کی طرح سوستان کو بھی نہایت آسانی سے فتح کر سکیں گے۔ اگر ہم دیبل سے براہِ راست برہمن آباد کی طرف پیش قدمی کریں تو نیرون اور سیون کی افواج کو اپنے راجہ کے جھنڈے تلے جمع ہونے کا موقع مل جائے گا۔ ہماری فتوحات راجہ کی طاقت میں کمی اور ہماری فوج کی تعداد میں اضافہ کر رہی ہیں۔ مفتوح شہروں کی کچھ فوج تتر بتّر ہو جاتی ہے، کچھ ہمارے ساتھ مل جاتی ہے اور باقی تھوڑی بہت جو پسپا ہو کر راجہ کے پاس پہنچتی ہے’ وہ اپنے ساتھ ایک شکست خوردہ ذہنیت لے کر جاتی ہے اور وہ فوج جس کے ایک فیصد سپاہی شکست خوردہ ذہنیت رکھتے ہوں’ خواہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہو ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی جب ہم سندھ کی حدود میں داخل ہوئے تھے ہماری تعداد بارہ ہزار تھی۔ اب دیبل اور بیلا کے نقصانات کے باوجود ہماری تعداد بیس ہزار سے کے

لگ بھگ ہے اور ہمارے سندھی ساتھیوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ان کی تلواریں جو حق کے مقابلے میں کند ثابت ہوئیں، باطل کے مقابلے میں کافی تیز ہیں۔"

محمدؒ بن قاسم کے دلائل سن کر فوج کے تمام عہدیدار اس کے ہم خیال ہو گئے۔ باج رائے سیون سے فرار ہو کر سوستان میں جاٹوں کے راجہ کاکا کے پاس پناہ لے چکا تھا۔ راجہ کاکا راجہ داہر کا زبردست حلیف تھا۔ اس کی شجاعت کی داستانیں سندھ کے طول و عرض میں مشہور تھیں۔ تاہم دیبل، نیرون اور سیون میں محمدؒ بن قاسم کی شاندار فتوحات نے اسے کسی حد تک خوفزدہ کر دیا تھا سوستان کی فصیل کافی مضبوط تھی لیکن اس نے قلعہ بند ہو کر لڑنے والی فوج کے لیے حملہ آوروں کے منجنیق اور دبابے خطرناک سمجھتے ہوئے کھلے میدان میں لڑنے کو ترجیح دی۔

(۴)

محمدؒ بن قاسم یلغار کرتا ہوا سوستان پہنچا تو کاکا کی فوج شہر سے باہر صف بستہ ہو کر حملے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ کاکا نے شجاعت سے زیادہ اپنے جوشیلے پن اور جلد بازی کا ثبوت دیا اور محمدؒ بن قاسم کو جنگ کی تیاری کا موقع دینا مناسب نہ سمجھتے ہوئے اچانک حملہ کر دیا۔ محمدؒ بن قاسم نے حملے کی شدّت دیکھ کر قلب لشکر کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ کاکا کی فوج اس جنگی چال کو نہ سمجھ سکی اور وہ فتح سے پر امید ہو کر دیوانہ وار لڑتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔ کاکا کو اپنی غلطی کا اس وقت احساس ہوا جب حریف کے لشکر کے قلب سے پسپا ہونے والے دستے اچانک رک کر ایک آہنی دیوار کی طرح جم کر کھڑے ہو گئے اور بازوؤں کے سوار آندھی کی طرح اس کی فوج کے عقب میں جا پہنچے۔ کاکا کی فوج چاروں طرف سے ایک زوردار حملے کی تاب نہ لا سکی۔ باج رائے میدان سے بھاگ

نکلنے کی کوشش میں مارا گیا۔ اس کی موت نے کاکا کی فوج کے سپاہیوں کو بد دل کر دیا۔ کاکا نے فوج کا حوصلہ بڑھانے کی بڑی کوشش کی لیکن جب اپنی شکست کے متعلق کوئی شبہ نہ رہا تو وہ بھی اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ ایک طرف سے گھیرا ڈالنے والی فوج کی صفیں توڑ کر بھاگ نکلا لیکن محمدؒ بن قاسم کے سواروں نے تعاقب کر کے اسے پھر ایک بار گھیرے میں لے لیا اور اس نے رہے سہے ساتھیوں سمیت ہتھیار ڈال دیے۔

جب اسے محمدؒ بن قاسم کے سامنے لایا گیا تو اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "اس فوج کے سپہ سالار آپ ہیں!"

محمدؒ بن قاسم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہاں! میں ہوں!"

کاکا نے اور زیادہ متعجّب ہو کر محمدؒ بن قاسم کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پوچھا۔ "آپ نے میرے لیے کیا سزا تجویز کی ہے؟"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "سندھ پر حملہ کرنے کے بعد تم دوسرے آدمی ہو جسے میں نے ایک بہادر سپاہی کی طرح لڑتے دیکھا ہے۔ میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو میں بھیم سنگھ کے ساتھ کر چکا ہوں۔ تم آزاد ہو!"

کاکا نے جواب میں کہا۔ "اور اس آزادی کی مجھے کیا قیمت ادا کرنی ہو گی؟"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "ہم آزادی کی قیمت وصول کرنے کے لیے نہیں آئے!"

"تو آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں؟"

"ظلم کا ہاتھ روکنے اور مظلوم کا سر اونچا کرنے کے لیے!"

کاکا نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد کہا۔ "اگر آپ کو یقین ہے کہ

میں ظالم ہوں تو آپ مجھے آزاد کیوں کرنا چاہتے ہیں ؟"

"اس لیے کہ مغلوب انسان پر تشدد اسے سرکشی کے لیے ابھارتا ہے اسے اصلاح کی طرف آمادہ نہیں کرتا!"

کاکا نے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا "میں نے سُنا تھا کہ آپ بہت بڑے جادوگر ہیں۔ آپ دشمن کو دوست بنانے کے ڈھنگ جانتے ہیں۔ کیا مجھے بھی آپ کے دوستوں میں جگہ مل سکتی ہے ؟" یہ کہتے ہوئے اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

محمدؒ بن قاسم نے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں پہلے بھی تمھارا دشمن نہ تھا۔"

راجہ داہر کی آخری شکست

راجہ کاکا نے چند دنوں میں اپنی بچی کھچی فوج دوبارہ منظم کی اور محمدؒ بن قاسم کے ساتھ شامل ہو گیا۔ محمدؒ بن قاسم نے یہاں سے برہمن آباد کا رُخ کیا اور برہمن آباد سے چند کوس دور دریا کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں اسے دریا عبور کرنے کی تیاریوں میں چند دن لگ گئے۔ اس مرحلہ پر سعد (گنگو) اس کے لیے ایک بہت بڑا مددگار ثابت ہوا۔ اس کے ساتھی دریا کے کنارے دور تک ماہی گیروں کی بستیوں میں سندھ کے نجات دہندہ کی آمد کا پیغام لے کر پہنچے اور چند دنوں میں کئی ملاح اپنی کشتیوں سمیت محمدؒ بن قاسم کی اعانت کے لیے آ جمع ہوئے لیکن دریا عبور کرنے سے پہلے محمدؒ بن قاسم کے گھوڑوں میں ایک وبا پھوٹ نکلی اور چند دنوں میں گھوڑوں کی ایک خاصی تعداد ہلاک ہو گئی۔ حجّاج بن یوسف نے یہ خبر سنتے ہی بصرہ سے دو ہزار اونٹوں پر سرکہ لاد کر بھیج دیا اور یہ سرکہ اس خطرناک بیماری کے لیے مفید ثابت ہوا۔

جون ۷۱۳ء میں محمدؒ بن قاسم نے کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر دریائے سندھ عبور کر لیا۔

راجہ داہر قریباً دو سو ہاتھیوں کے علاوہ اپنی فوج میں پچاس ہزار سواروں اور کئی پیدل دستوں کا اضافہ کر چکا تھا۔ جون کے آخری دنوں میں دریا زوروں پر تھا اور یہ امید نہ تھی کہ محمدؒ بن قاسم اُسے عبور کرنے میں اس قدر مستعدی سے کام لے گا۔ اس نے اپنے لشکر کو فوراً پیش قدمی کا حکم دیا اور محمدؒ بن قاسم کے مستقر سے دو کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا۔

چند دن دونوں افواج کے گشتی دستوں کے درمیان معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ بالآخر ایک شام محمدؒ بن قاسم نے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ رات کے وقت عشاء کی نماز کے بعد اس نے مشعل کی روشنی میں اپنی بیوی کے نام ایک خط لکھ کر قاصد کے حوالے کیا۔

رفیقۂ حیات!

خدا تمھیں ایک مجاہد کی بیوی کا عزم اور حوصلہ عطا کرے۔

میں صبح دشمن کی بے شمار فوج کے ساتھ ایک فیصلہ کُن جنگ لڑنے جا رہا ہوں اور یہ مکتوب تمھارے ہاتھوں تک پہنچنے سے پہلے سندھ کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ خدا مجھے فتح دے گا۔ مجھے اپنے سپاہیوں پر ناز ہے اور ان سپاہیوں سے زیادہ عرب کی ان ماؤں پر ناز ہے جن کا دودھ ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑ رہا ہے، جنھوں نے انھیں بچپن میں لوریاں دیتے وقت بدر و حنین کی داستانیں سنائیں‘ مجھے ان بیویوں پر ناز ہے جن کی فرض شناسی نے ان کے شوہروں کو غازیوں کی زندگی اور شہیدوں کی موت کی تمنا کرنا سکھایا ہے۔ جن کی محبت نے ان کے پاؤں میں زنجیریں

پہنانے کی بجائے انھیں تسخیرِ عالم کا سبق دیا ہے اور مجھے اطمینان ہے کہ جب تک ان مجاہدوں کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ نہیں بہہ جاتا یہ اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہونے دیں گے۔

میں تمھاری اور اماں جان کی جُدائی سے کبھی پریشان نہیں ہوا۔ میں تمھاری یاد سے بھی غافل نہیں لیکن جب میں اپنے ساتھ ہزاروں ان نوجوانوں کو دیکھتا ہوں جو خدا کی راہ میں صبر اور شکر کے ساتھ اپنی بیویوں، ماؤں اور دوسرے عزیزوں کی جُدائی برداشت کر رہے ہیں‘ تو مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوتی ہے کہ میں بھی اُن میں سے ایک ہوں۔ پچھلی جنگوں میں جو نوجوان شہید ہو چکے ہیں‘ ان میں سے بعض کی ماؤں نے مجھ سے خط لکھ کر یہ پوچھا ہے کہ ان کے بیٹوں کا خون ایڑیوں پر تو نہیں گرا اور اگر میں شہید ہو جاؤں تو مجھے توقع ہے کہ میری ماں بھی میرے ساتھیوں سے یہی سوال پوچھے گی۔

میں تم سے یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ جب تک بیوہ عورتیں اور یتیم بچے رہا نہ ہوں گے، میں اپنی رفتار سُست نہ ہونے دوں گا اور میں یہ وعدہ پورا کر کے رہوں گا اور تم مجھ سے وعدہ کر چکی ہو کہ تم میری شہادت پر آنسو نہیں بہاؤ گی۔ تم بھی اپنا وعدہ پورا کرنا۔ امیؔ جان سے میرا مؤدبانہ سلام کہنا۔ میں ان کے نام ایک علیحدہ خط لکھ رہا ہوں۔

تمھارا محمد”

دوسرا خط ماں کو لکھنے کے بعد محمدؒ بن قاسم میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھنے

میں مصروف ہوگیا :

(۲)

صبح کی نماز کے بعد مسلمانوں کی فوج کیل کانٹے سے لیس ہو کر صفوں میں کھڑی ہوگئی۔ محمدؒ بن قاسم نے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک پُر جوش تقریر کی :-

" اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیو! آج تمھاری شجاعت، تمھارے ایمان اور تمھارے ایثار کے امتحان کا دن ہے۔ دشمن کی تعداد سے نہ گھبرانا۔ تاریخ شاہد ہے کہ کفر و اسلام کے تمام گزشتہ معرکوں میں باطل کے علمبردار حق پرستوں کے مقابلے میں زیادہ تھے اور حق پرستوں نے ہمیشہ یہ ثابت کیا کہ فوج کی طاقت کا راز افراد کی تعداد میں نہیں بلکہ ان کے ایمان کی پختگی اور ان کے مقاصد کی بلندی میں ہے۔ ہماری جنگ کسی قوم کے خلاف نہیں، کسی ملک کے خلاف نہیں، بلکہ دنیا کے تمام ان سرکش انسانوں کے خلاف ہے جو خدا کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ ہم روئے زمین پر اپنی حکومت نہیں بلکہ خدا کی حکومت چاہتے ہیں۔ ہم اپنی سلامتی اور اپنے ساتھ دنیا کے تمام انسانوں کی سلامتی چاہتے ہیں اور خدا کی زمین پر سلامتی کا راستہ صرف اسلام ہے۔ یہ وہ دین ہے، جو دنیا سے آقا اور غلام، گورے اور کالے، عربی اور عجمی کی تمیز مٹاتا ہے۔ ہمارا مقصد اس دین کی فتح ہے اور اس مقصد کے لیے جینا اور مرنا دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد اس مقصد کے لیے

لڑے۔ خدا نے ان کی مٹھی بھر جماعت کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے جابر اور قاہر شہنشاہوں کی گردنیں جھکا دیں۔

عرب کے شہسوارو! تمھیں اپنے مقدر پر فخر کرنا چاہیے کہ خدا نے اپنے دین کی اشاعت کے لیے تمھیں منتخب کیا۔ تم نے خدا کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگائی اور خدا نے تمھیں ارض و سما کی نعمتوں سے مالامال کر دیا۔ وہ وقت یاد کرو جب خدا نے اپنے تین سو تیرہ بے سروسامان بندوں کو بہترین ہتھیاروں سے مسلح لشکر پر فتح دی تھی۔ قادسیہ، یرموک اور اجنادین کے میدانوں میں حق کی ایک تلوار کے مقابلے میں باطل کی دس اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ تلواریں بے نیام ہوتیں لیکن خدا نے ہمیشہ حق پرستوں کو فتح دی۔ خدا آج بھی تمھاری مدد کرے گا لیکن یاد رکھو! قدرت کے فیصلے اٹل ہیں۔ قدرت صرف ان کی مدد کرتی ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ تم اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہوئے بغیر خدا کے انعامات کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ قدرت کا دستِ شفقت صرف ان کی طرف دراز ہوتا ہے، جو تیروں کی بارش میں سینہ سپر ہوتے ہیں جو خندقوں کو اپنی لاشوں سے پاٹتے ہیں۔ قدرت کے انعامات صرف ان اقوام کے لیے ہیں جن کی تاریخ کا ہر صفحہ شہیدوں کے خون سے رنگین ہے۔

یاد رکھو! بنی اسرائیل بھی خدا کی لاڈلی اُمت تھی لیکن جب وہ راہِ حق میں جہاد کی ذمہ داری خدا اور اس کے پیغمبرؑ کو سونپ کر آرام سے بیٹھ گئے تو قدرت نے انھیں دھتکار دیا اور انھیں

آج اس زمین پر جائے پناہ نہیں ملتی۔ جس پر کسی زمانے میں اُن کے اقبال کے پرچم لہراتے تھے۔ خُدا وہ دن نہ لائے کہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح اپنی کتاب زندگی سے جہاد کا باب خارج کر دو۔

میرے دوستو اور میرے بھائیو! آج تمھارے لیے ایک سخت آزمائش کا دن ہے۔ تمھیں بدر و حنین کے مجاہدوں کی سُنّت ادا کرنی ہے۔ تمھیں قادسیہ اور یرموک کے شہیدوں کے نقش قدم پر چل کر دکھانا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ آج کے دن فتح کے لیے خدا نے جس جماعت کو منتخب کیا ہے، وہ تم ہو۔ مجھے یقین ہے کہ حق کی تلواروں کے سامنے سندھ کا لوہا رُوم و ایران کے لوہے کے مقابلے میں سخت ثابت نہ ہو گا۔ ظالم لوگ کبھی بہادر نہیں ہوتے لیکن میں پھر ایک بار تمھیں یہ ہدایت کرتا ہوں کہ حق کی راہ کو کفر کے کانٹوں سے پاک کرتے وقت یہ خیال رکھنا کہ تم کوئی مہکتا ہوا پھول بھی اپنے پاؤں سے نہ مسل ڈالو۔ گرے ہوئے دشمن پر وار نہ کرنا۔ عورتوں، بچّوں اور بوڑھوں پر تمھارا ہاتھ نہ اُٹھے۔ میں جانتا ہوں کہ سندھ کے راجہ نے عرب عورتوں اور بچوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ انتقام کا جذبہ تمھیں کہیں ظلم پر آمادہ نہ کر دے۔ خدا کے قانون میں توبہ کرنے والوں کے لیے ہر وقت رحم کی گنجائش ہے۔ دشمن کو مغلوب کرو اور اس پر یہ ثابت کر دو کہ ہماری غیرت خدا کی غیرت ہے اور ہماری تلوار خدا کی تلوار ہے لیکن جب وہ اپنی

شکست کا اِعتراف کرے اور تم سے پناہ مانگے تو اُسے اٹھا کر گلے لگا لو اور کہو کہ اسلام کی رحمت کا دروازہ کسی کے لیے بند نہیں۔

تم جانتے ہو کہ اس دنیا میں کسی کو اتنا نہیں ستایا گیا۔ جس قدر کفارِ مکہ نے پیغمبر اسلام علیہ السّلام کو ستایا تھا۔ ظلم کے ترکش میں کوئی ایسا تیر نہ تھا، جس سے ان کے مقدس جسم کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ رحمۃ اللعالمین کی آنکھوں کے سامنے ان کے جاں نثاروں کے سینوں پر تپتے ہوئے پتھر رکھے گئے اور جب آپؐ نے ہجرت کی تو ظالموں نے آپؐ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ مدینے کی جنگوں میں آپؐ کے کئی جاں نثار شہید ہوئے لیکن فتح مکہ کے بعد اپنے دشمنوں کے ساتھ جو سلوک حضور پُر نورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اور یہ اسی نیک سلوک کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کے بدترین دشمن آپؐ کے بہترین جاں نثار بن گئے۔ آج ترکستان اور افریقہ میں ہر اس ملک کے باشندے جو کسی زمانے میں ہمارے خلاف نبرد آزما ہوتے تھے۔ اسلام کی فتح کے لیے ہمارے دوش بدوش لڑ رہے ہیں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سندھ بلکہ یہ سارا ہندوستان کسی دن ایران، شام اور مصر کی طرح دینِ حق کی فتح کے لیے ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ میرے دوستو! آج تمھاری منزل براہمن آباد ہے۔ آؤ ہم فتح کے لیے دُعا کریں۔"

محمدؒ بن قاسم نے یہ کہہ کر ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی "اے سزا اور جزا کے

مالک! ہم تیرے دین کی فتح چاہتے ہیں۔ ہمیں اپنے اسلاف کا جذبہ عطا کر۔ رب العالمین! حشر کے دن ہماری ماؤں کو شرمسار نہ کرنا۔ ہمیں غازیوں کی زندگی اور شہیدوں کی موت عطا کر۔“

(۳)

شام تک سندھ کی فوج راجہ داہر کے علاوہ تیس ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر پسپا ہو چکی تھی۔ فوج کے وہ دستے جنھیں تیسرے پہر ہی اپنی شکست کا یقین ہو چکا تھا، ارور کا رُخ کر چکے تھے۔ باقی فوج نے راجہ داہر کے قتل ہو جانے پر ہمت ہار دی اور برہمن آباد کا رُخ کیا۔

مسلمان کچھ دیر ان کا تعاقب کرنے کے بعد کیمپ کی طرف لوٹ آئے۔ اس جنگ میں مسلمان زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد ساڑھے تین ہزار کے قریب تھی۔ سپاہی زخمیوں کو میدان سے اٹھا اٹھا کر قطاروں میں لٹا رہے تھے اور محمدؒ بن قاسم جراحوں کی جماعت کے ساتھ ان کی مرہم پٹی میں مصروف تھا۔ زبیر ایک زخمی کو پیٹھ پر اٹھائے ہوئے محمدؒ بن قاسم کے قریب پہنچا اور اسے زمین پر لٹاتے ہوئے محمدؒ بن قاسم سے مخاطب ہوا۔ ”آپ ذرا اسے دیکھ لیں۔ یہ بہت بُری طرح زخمی ہوا ہے!“

محمدؒ بن قاسم نے جلدی سے اُٹھ کر زخمی کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ ”کون؟ سعد؟“

سعد کا چہرہ خون سے رنگا ہوا تھا۔ محمدؒ بن قاسم نے کپڑے سے اس کا مُنہ پونچھنے کی کوشش لیکن اس نے محمدؒ بن قاسم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ ”اب اس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف آخری بار آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔“

زبیر اور محمدؒ بن قاسم نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ خالد چند قدم کے فاصلے پر زخمیوں کو پانی پلا رہا تھا۔ زبیر نے اسے آواز دی اور وہ بھاگتا ہوا سعد کے پاس پہنچا۔ ”چچا تم......!“ اس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

سعد نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور خالد اسے دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا۔

سعد نے کہا۔ ”مجھے اب موت کا ڈر نہیں لیکن میں بہت گناہگار ہوں۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ خدا مجھے معاف کر دے گا!“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”شہیدوں کا خون اُن کے تمام گناہ دھو دیتا ہے۔“

سعد نے خالد کی طرف دیکھا اور نحیف آواز میں کہا۔ ”بیٹا! زہرا کا خیال رکھنا اور زبیر! تمھیں ناہید کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔“ تھوڑی دیر تک اس نے یکے بعد دیگرے ان دونوں کی طرف دیکھا اور محمدؒ بن قاسم کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔ اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی۔ سعد نے چند اُکھڑے ہوئے سانس لینے کے بعد خالد اور محمدؒ بن قاسم کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ اتنی دیر میں سعد کے چند اور رفیق بھی اس کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ محمدؒ بن قاسم نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون کہا اور اپنے ہاتھ سے اس کی آنکھیں بند کر دیں۔

(۴)

محمدؒ بن قاسم اُٹھ کر پھر زخمیوں کی طرف متوجہ ہونا چاہتا تھا کہ ایک سوار اپنے آگے ایک زخمی کو لادے ہوئے اس کے قریب پہنچا۔ محمدؒ بن قاسم نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔ ”بھیم سنگھ تم......! یہ کون ہے؟“

ایک سپاہی نے زخمی کو گھوڑے سے اتار کر نیچے لٹا دیا۔ بھیم سنگھ نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا "خالد! اپنے باپ کی طرف دیکھو!"

خالد سر جھکائے سعد کے قریب بیٹھا تھا۔ اس نے زخمی کو دیکھتے ہی ایک ہلکی سی چیخ ماری اور بھاگ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا "ابا! میرے ابا!!"

زخمی کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ بھیم سنگھ کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ انھیں کہاں سے لائے؟ یہ کیسے زخمی ہوئے؟"

بھیم سنگھ نے جواب دیا "میں، پتا جی اور یہ ادور کے قید خانے سے ایک فوجی افسر کی مدد سے فرار ہوئے تھے۔ جب ہم یہاں پہنچے تو راجہ کی فوج فرار ہو رہی تھی۔ انھوں نے پتا جی کے سمجھانے کے باوجود سپاہیوں کے ایک گروہ پر حملہ کر دیا۔ میں اور پتا جی نے مجبوراً اُن کا ساتھ دیا۔ پتا جی ایک تیر کھا کر گھوڑے سے گر پڑے اور ایک ہاتھی کے پاؤں تلے کچلے گئے۔" یہاں تک کہہ کر بھیم سنگھ خاموش ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اور یہ بے تحاشا آگے بڑھتے گئے۔ پانچ چھ سپاہیوں کو مارنے کے بعد یہ زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے۔ ان کی آخری خواہش تھی کہ میں اپنے بیٹے سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ انھیں اچھی طرح دیکھیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ابھی تک زندہ ہیں!"

محمدؒ بن قاسم نے چند سپاہیوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا "تم ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے پتا جی کی لاش اُٹھا لاؤ!" اور خود ابو الحسن کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "انھیں غش آ گیا ہے، پانی لاؤ!"

ایک سپاہی نے اپنے مشکیزے سے پانی کا گلاس بھر کر پیش کیا اور محمدؒ بن قاسم نے ابو الحسن کا مُنہ کھولتے ہوئے اسے پانی کے چند گھونٹ پلا دیے۔

ابو الحسن نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں لیکن خالد کو پہچانتے ہی اس پر تھوڑی دیر کے لیے پھر غشی طاری ہو گئی۔ اسے دوبارہ ہوش میں لانے کے بعد محمدؒ بن قاسم نے اس کے سینے کے زخم کی مرہم پٹی کی۔

خالد سے ابو الحسن کا پہلا سوال یہ تھا "تمھاری امی کہاں ہے؟"

"وہ ..... وہ .....!" خالد گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

ابو الحسن نے اپنے چہرے پر ایک دردناک مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! گھبراؤ نہیں۔ میں سمجھ گیا وہ زندہ نہیں۔ ناہید کہاں ہے؟"

"وہ دیبل میں ہے!"

"تو تمھاری بیوی بھی وہیں ہو گی۔ کاش! میں موت سے پہلے انھیں دیکھ سکتا لیکن وہ، وہ بہت دور ہیں اور میں فقط چند گھڑیوں کا مہمان ہوں!"

محمدؒ بن قاسم نے تسلّی دیتے ہوئے کہا "آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی انھیں بلا بھیجتا ہوں۔ انشاءاللہ وہ ڈاک کے گھوڑوں پر پرسوں تک یہاں پہنچ جائیں گی۔"

ابو الحسن نے احسان مندانہ نگاہوں سے محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "شکریہ! لیکن میں شاید پرسوں تک زندہ نہ رہوں۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا "آپ کا زخم زیادہ خطرناک نہیں۔ اگر قدرت کو آپ کی ملاقات منظور ہے تو وہ ہو کر رہے گی!"

چوتھے روز طلوعِ آفتاب سے کچھ دیر بعد ابو الحسن کے بستر کے گرد محمدؒ بن قاسم، خالد اور زبیر کے علاوہ ناہید اور زہرا بھی موجود تھیں۔ ناہید اور زہرا نے شام کے وقت اس جگہ پہنچنے کے بعد سفر میں تھکاوٹ سے چُور ہونے کے باوجود زبیر اور خالد کی طرح ساری رات ابو الحسن کی تیمارداری میں کاٹی تھی۔ نزع سے کچھ دیر پہلے ناہید اور زہرا کی طرح خالد کی آنکھوں میں بھی آنسو

دیکھ کر ابوالحسن نے کہا "بیٹا! میں اپنے لیے اس سے بہتر موت کی دُعا نہیں کر سکتا تھا۔ موت پر آنسو بہانا دنیا کی ایک رسم ہے لیکن شہادت کی موت کے لیے اس رسم کو پورا کرنا شہادت کا مذاق اڑانا ہے۔ اس طرح ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے میری طرف نہ دیکھو۔ مجھے آنسوؤں سے نفرت ہے۔ زندگی کی کٹھن منازل میں ایک مسلمان کی پونجی آنسو نہیں، خون ہے!"

خالد نے آنسو پونچھ ڈالے اور کہا "ابّا جان مجھے معاف کر دیجیے!"

دوپہر کے وقت ابوالحسن نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

برہمن آباد سے اَرور تک

برہمن آباد پہنچ کر جے سنگھ نے چاروں طرف ہرکارے دوڑائے۔ راجہ داہر کی شکست سے پہلے ملتان سے لے کر راجپوتانہ تک کئی راجہ اور سردار اپنی اپنی افواج کے ساتھ اس کی مدد کے لیے روانہ ہو چکے تھے لیکن نیرون کی فتح کے بعد جب محمدؒ بن قاسم نے برہمن آباد کا رُخ کرنے کی بجائے سیون اور سوستان کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ تو انھیں یہ اطمینان ہو گیا کہ برہمن آباد کے قریب فیصلہ کُن جنگ لڑنے کے لیے ابھی کافی وقت ہے۔ جون میں دریا بھی زوروں پر تھا اور کسی کو یہ امید نہ تھی کہ محمدؒ بن قاسم اسے عبور کرنے کے لیے پانی اتر جانے کا انتظار نہیں کرے گا۔ اس لیے انھوں نے راستے کی منازل نہایت سکون و اطمینان سے طے کیں۔ راجہ داہر کو بذات خود اپنے اندازے سے بہت پہلے محمدؒ بن قاسم کے مقابلے میں صف آرا ہونا پڑا اور دور دراز سے آنے والے بہت کم مددگار وقت پر پہنچ سکے۔

سندھ کی افواج کی شکست اور اس سے زیادہ راجہ داہر کی موت کی غیر متوقع خبر نے ان میں سے اکثر کو بددل کر دیا اور جے سنگھ کی مدد کے لیے

برہمن آباد پہنچنے کی بجائے واپس ہونے لگے۔ جے سنگھ ان لوگوں کی مدد کے بھروسے پر ایک اور فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ مشہور کر دیا کہ راجہ داہر مرا نہیں، وہ شکست کھانے کے بعد جنوبی ہند کے راجاؤں کی مدد حاصل کرنے کے لیے جا چکا ہے اور چند دنوں تک اپنے ساتھ ایک لشکرِ جرّار لے کر برہمن آباد پہنچ جائے گا۔ جے سنگھ کے ہرکاروں نے مایوس ہو کر لوٹنے والے راجوں اور سرداروں کو یہ خبر سنائی تو وہ آخری فتح میں حصّہ دار بننے کی امّید پر یکے بعد دیگرے اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

محمدؒ بن قاسم کے پاس یہ خبریں پہنچیں تو اس نے فوراً پیش قدمی کی۔ جے سنگھ کے جھنڈے تلے قریباً پچاس ہزار سپاہی جمع ہو چکے تھے۔ اس لیے اس نے شہر سے باہر نکل کر محمدؒ بن قاسم کا مقابلہ کیا۔ محمدؒ بن قاسم کی فوج میں بھی سندھ کے عوام کے علاوہ کئی سردار شامل ہو چکے تھے۔ ان سرداروں کی قیادت بھیم سنگھ کے سپرد تھی۔ برہمن آباد کی دیواروں کے باہر گھمسان کا رن پڑا۔ جے سنگھ کے راجپوت ساتھی نہایت بہادری کے ساتھ لڑے اور سندھی سپاہی عربوں کے جھنڈے تلے اپنے ہم وطنوں کی ایک بڑی تعداد دیکھ کر بددل ہو گئے۔ بھیم سنگھ کے بعض پرانے ساتھیوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا اور جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں کی فوج کے ساتھ آملے۔ پھر بھی جے سنگھ کو نئے مددگاروں کی فوج کی تعداد پر بھروسہ تھا اور اس نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ تیسرے پہر سندھی افواج کے پاؤں اکھڑ گئے اور جے سنگھ بیس ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر جنوب کی طرف بھاگ نکلا۔

(۲)

برہمن آباد کے شاہی محل کے ایک کمرے میں راجہ داہر کی سب سے

چھوٹی اور سب سے زیادہ محبوب رانی سنہری مسند پر رونق افروز تھی۔ رانی کا نام لاڈھی تھا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر حزن و ملال کے آثار تھے۔ چند خادمائیں اور امراء اردگرد ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

پرتاب رائے سر جھکائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا کمرے میں داخل ہوا اور رانی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا ”مہارانی! جے سنگھ کو شکست ہو چکی ہے اور دشمن تھوڑی دیر میں شہر پر قبضہ کرنے والا ہے۔ اب ہمارے لیے بھاگ نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم سرنگ کے راستے نکل سکتے ہیں۔“

رانی نے ترش روئی سے جواب دیا ”شکست کے متعلق میرے پاس اطلاع لانے کے لیے محل کی عورتیں کافی تھیں۔ تم میدان چھوڑ کر کیوں آئے؟“

”مہارانی کی حفاظت میرا فرض تھا۔ اب باتوں کا وقت نہیں۔ چلیے میں نے سرنگ کے دوسرے سرے پر گھوڑوں کا انتظام کر دیا ہے۔ آپ کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر اروڑ پہنچ سکتی ہیں!“

رانی نے تنک کر کہا ”میں تمھارے جیسے بُزدل کی حفاظت میں جان بچانے پر ایک بہادر دشمن کے ہاتھوں موت کو ترجیح دوں گی!“

پرتاپ رائے نے کھسیانا ہو کر کہا ”یہ میرے ساتھ انصاف نہیں۔ میں آپ کا ایک وفادار خادم ہوں۔“

”تمھارے لیے انصاف کا وقت آچکا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے رانی مسند سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

پرتاپ رائے نے پریشان ہو کر کہا ”مہارانی! آپ کیا کہہ رہی ہیں میں آپ کی بھلائی کی بات کہتا ہوں!“

رانی نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا ”تم اس ملک کے سب سے بڑے

دشمن ہو۔ سندھ پر یہ مصیبت تمھاری وجہ سے آئی۔ مہاراج کو عربوں کے ساتھ جنگ مول لینے کے لیے تم نے ورغلایا۔ جے رام کو تم نے ہمارا دشمن بنایا۔ بھیم سنگھ، اودھے سنگھ جیسے بہادر سپاہی تمھاری وجہ سے دشمن کے ساتھ جا ملے پچھلی جنگ کے میدان میں سب سے پہلے بھاگنے والے تم تھے اور اب تم میری جان بچانے کے لیے نہیں، بلکہ اپنی جان کے خوف سے مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔ عرب عورتوں پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اس لیے ہماری وجہ سے شاید وہ تمھیں بھی چھوڑ دیں۔"

پرتاپ رائے نے کہا۔ "مہارانی! آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ سنیے! دشمن قلعے میں داخل ہو رہا ہے۔ اب وہ کوئی دم میں ادھر آنے والا ہے۔ اگر آپ کو اُس کی قید کی ذلت کا خوف نہیں، تو میں جاتا ہوں۔"

پرتاپ رائے نے یہ کہہ کر واپس مڑنا چاہا لیکن رانی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اور ایک چمکتا ہوا خنجر دکھاتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو! ابھی تمھارا فیصلہ نہیں ہوا۔"

پرتاپ رائے نے لوگوں کو ننگی تلواروں کے ساتھ اپنے گرد جمع ہوتے دیکھا تو ایک طرف جست لگا کر تلوار سونت لی۔ رانی ایک درباری کے ہاتھ سے تلوار لے کر آگے بڑھی اور بولی۔ "بزدل! تمھارے ہاتھ تلوار اٹھانے کے لیے نہیں چوڑیاں پہننے کے لیے بنائے گئے ہیں!"

پرتاپ رائے نے ایک زخمی درندے کی طرح رانی پر حملہ کیا لیکن وہ اچانک کترا کر ایک طرف ہو گئی۔ پیشتر اس کے کہ پرتاپ رائے دوسری بار تلوار اٹھاتا۔ چار سپاہیوں کی تلواریں اس کا سینہ چھلنی کر چکی تھیں۔

(۳)

قلعے میں چاروں طرف اللہ اکبر کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ رانی نے محل کے بالاخانے کے ایک دریچے سے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ قلعے کے دروازے پر سندھ کے پرچم کی بجائے اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ نیچے کشادہ صحن میں مسلمانوں کی فوج جمع ہو رہی تھی۔ سب سے آگے ایک نوجوان سفید گھوڑے پر سوار تھا اور سندھ کے بے شمار سپاہی "محمدؒ بن قاسم کی جے" کے نعرے لگا رہے تھے۔ ایک درباری نے سفید گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "محمدؒ بن قاسم وہ ہے!"

رانی غضب آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک بوڑھے سردار نے آگے بڑھ کر کہا۔ "مہارانی اب بھی بھاگ نکلنے کا وقت ہے!"

رانی نے ایک سپاہی کے ہاتھ سے تیر کمان چھین کر محمدؒ بن قاسم کی طرف نشانہ باندھتے ہوئے کہا۔ "بھاگنے والے راجوں اور رانیوں کے لیے اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں!"

لیکن اچانک کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور رانی کی توجہ تھوڑی دیر کے لیے دائیں ہاتھ ایک دروازے کی طرف مبذول ہو گئی۔ بھیم سنگھ چند سرداروں کے ہمراہ نمودار ہوا۔ رانی نے اُسے دیکھ کر منہ پھیر لیا اور دوبارہ محمدؒ بن قاسم کی طرف نشانہ باندھنے لگی۔ نیچے سے چند سپاہیوں نے شور مچایا اور محمدؒ بن قاسم اچانک ایک طرف جھک گیا۔ پیشتر اس کے کہ بھیم سنگھ بھاگ کر رانی کا ہاتھ روکتا، تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ رانی نے اپنا وار خالی دیکھ کر دوسرا تیر چڑھانے کی کوشش کی لیکن بھیم سنگھ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے

کمان چھینتے ہوئے کہا۔ ”مہارانی! آپ کیا کر رہی ہیں۔ بھگوان کا شکر ہے کہ تیر چلاتے وقت آپ کے ہاتھ کانپ رہے تھے، ورنہ آپ ایک فاتح لشکر کے انتقام کا تصور نہیں کر سکتیں۔ اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ ان کے سپہ سالار کی موت اس فوج کا حوصلہ پست کر سکتی ہے۔ تو آپ غلطی پر ہیں یہ فوج وہ نہیں جو سپہ سالار کی موت کے بعد میدان چھوڑ کر بھاگ جاتی ہے۔ ان کا ہر سپاہی سپہ سالار ہے۔“

رانی نے جذبات کی شدّت سے آبدیدہ ہو کر بھیم سنگھ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”بھیم سنگھ! اب تم کیا چاہتے ہو؟ کیا اب تک تم اپنا بدلہ نہیں لے چکے۔“

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ ”میں صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ عرب قیدی کہاں ہیں۔ قید خانے سے صرف سراندیپ کے ملّاح ملے ہیں۔ مجھے وہاں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ عرب قیدی راجہ کی موت کے بعد اس محل میں لائے گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کیا ہوگا لیکن مجھے پہریدار نے بتایا ہے کہ پرتاپ رائے بھی آپ کے پاس ہے اور مجھے ڈر ہے کہ آپ نے کہیں اس کے کہنے میں آ کر ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ کی ہو!“

رانی نے کہا۔ ”فرض کرو اگر میں نے کوئی بدسلوکی کی ہے تو؟“

”مسلمان عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے لیکن پرتاپ رائے کو وہ شاید قابلِ معافی نہ سمجھیں!“

رانی نے کہا۔ ”اگر میں نے اپنے حکم سے انھیں قتل کروا دیا ہو تو؟“

بھیم سنگھ نے چونک کر جواب دیا۔ ”تو میں یہ سمجھوں گا کہ سندھ کو ابھی اور بُرے دن دیکھنے ہیں لیکن مجھے آپ سے یہ اُمید نہیں۔ میں محمدؒ بن قاسم کو بتا چکا ہوں کہ آپ نے ہمیشہ قیدیوں کے متعلق مہاراج اور پرتاپ رائے کے خطرناک ارادوں کی مخالفت کی ہے اور وہ اس کے لیے آپ کے احسانمند

ہیں۔“

رانی نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”اگر میں ان قیدیوں کو دشمن کے حوالے کر دوں تو وہ یہاں سے واپس چلا جائے گا!“

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ ”فاتح لشکر کو کوئی شرط ماننے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں اس کے ساتھ مصالحت کے جو مواقع ملے تھے وہ ہم نے طاقت کے نشے میں ضائع کر دیے ہیں اور اب وہ اپنی فتوحات کے سیلاب کو ہندوستان کی آخری سرحد تک لے جانا چاہتے ہیں۔“

”تمھیں یقین ہے کہ وہ ارور پر حملہ کریں گے!“

”ہاں، وہ شاید دو چار دن کے اندر اندر ہی ارور کی طرف پیشقدمی کر دیں اور میں اس لیے بھی آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ ارور کی حفاظت راجکمار فقّی کر رہا ہے اور آپ شاید یہ پسند نہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچلا جائے۔ قیدیوں کو محمدؒ بن قاسم کے حوالے کر کے آپ اس کی جان بخشی کروا سکتی ہیں۔ اُس کے پاس جس قدر سپاہی ہوں گے۔ اُس سے زیادہ سپاہی اب محمدؒ بن قاسم کی فوج میں سندھ سے شامل ہو چکے ہیں، راجکمار جس قدر بہادر ہے، اسی قدر ناتجربہ کار ہے۔ وہ عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کی جان صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ وہ ہتھیار ڈال دے۔“

رانی نے پھر تھوڑی دیر تذبذب کے بعد کہا۔ ”میں نے سُنا ہے کہ عربوں کو دولت کا بہت لالچ ہے، اگر وہ واپس جانے پر رضامند ہوں تو میں انھیں برہمن آباد کے علاوہ ارور کا خزانہ بھی دے سکتی ہوں!“

بھیم سنگھ نے جواب دیا۔ ”وہ ایک اصول کے لیے لڑتے ہیں۔ یہاں تجارت کے لیے نہیں آئے!“

"تمھارے دل میں عربوں کے لیے بہت عزّت ہے۔ انھوں نے تم پر کیا جادو کیا؟"

بھیم سنگھ نے چند قدم آگے بڑھ کر نیچے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جادو؟ ادھر دیکھیے! ان کے جادو نے کس پر اثر نہیں کیا؟"

رانی نے نیچے نگاہ دوڑائی۔ شہر کے سرکردہ سردار اور پروہت محمدؒ بن قاسم کے گرد گھیرا ڈال کر اس کے پاؤں چھونے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور وہ گھوڑے سے نیچے کھڑا انھیں ہاتھوں کے اشاروں سے منع کر رہا تھا۔

بھیم سنگھ نے کہا۔ "مہارانی دیکھا آپ نے! یہ وہ لوگ ہیں جو تھوڑی دیر پہلے اسے اپنا بدترین دشمن سمجھتے تھے۔ جب اس نے ہمارے ملک پر حملہ کیا تھا اس کے پاس کل دس بارہ ہزار سپاہی تھے اور اب ہمارے اپنے ملک سے تیس چالیس ہزار کے لگ بھگ سپاہی اس کی فوج میں شامل ہو چکے ہیں۔ ہمارے پاس جسم کے بچاؤ کے لیے ڈھالیں ہیں لیکن محبت اور اخلاق سے دلوں کے قلعے فتح کرنے والے حملہ آور کا کوئی علاج نہیں۔ سندھ کی آئندہ نسلیں محمدؒ بن قاسم کو اپنے دشمن کی بجائے اپنے بہترین دوست کے نام سے یاد کریں گی۔ آپ جانتی ہیں کہ میں بُزدل نہیں۔ میں شکست کھا کر زندہ واپس آنے کی نیت سے لس بیلا نہیں گیا تھا لیکن کاش! وہ مجھے اس وقت اُٹھا کر اپنے سینے سے نہ لگاتا، جب میں زخموں سے چُور تھا۔ اس نے مجھے موت کے منہ سے چھینا میرے زخموں پر مرہم رکھا۔ میری تیمارداری کی اور میں نے محسوس کیا کہ دنیا کی کوئی طاقت ایسے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

میں مہاراج کے پاس اس لیے آیا کہ انھیں آگ میں کودنے سے بچا سکوں لیکن میرے اور پتاجی کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو مسلمان اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی نہیں کرتے۔ اب بھی میرے دل میں اپنی قوم کا درد ہے اور میں آپکے

پاس اسی لیے آیا ہوں کہ آپ کے بیٹے کو تباہی سے بچا سکوں۔ اگر قیدی آپ کے قبضے میں ہیں تو انھیں میرے حوالے کر دیجیے۔ وہ آپ کے محل کے دروازے کے سامنے پہنچ چکے ہیں۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ یہاں آپ ہیں تو انھوں نے حکم دیا کہ کوئی سپاہی محل کے اندر پاؤں نہ رکھے۔"

رانی نے ایک کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ!"

بھیم سنگھ اپنے ساتھیوں کو وہاں ٹھہرنے کا حکم دے کر رانی کے ساتھ ہو لیا۔ رانی اُسے پہلے اس کمرے میں لے گئی جہاں پرتاپ رائے کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ جب رانی نے یہ بتایا کہ پرتاپ رائے اس کی خواہش سے قتل ہوا ہے تو بھیم سنگھ نے کہا۔ "بھگوان کا شکر ہے کہ آپ کو دوست اور دشمن کی تمیز ہو گئی ہے۔"

رانی نے جواب دیا۔ "میں اسے شروع سے اپنا دشمن سمجھتی تھی لیکن کاش! مہاراج میری بات مانتے۔ اب اگر تم عرب قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہو تو وہ کونے کے کمرے میں موجود ہیں۔ مہاراج نے اپنی زندگی میں میرا کہا نہ مانا۔ ان کی موت کے بعد میں نے قیدیوں کو اپنے پاس مہمان رکھا ہے لیکن یہ مسلمانوں کو خوش کرنے کی نیت سے نہ تھا بلکہ میں شروع سے یہ محسوس کر رہی تھی کہ ان کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ پرتاپ رائے نے انھیں قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ دریغ نہ کرتا!"

بھیم سنگھ نے کہا۔ "بزدل ہمیشہ ظالم ہوتے ہیں۔ قیدی اب کیا محسوس کرتے ہیں؟"

رانی نے جواب دیا۔ "جہاں تک میرا بس چلا ہے، میں نے انھیں کوئی تکلیف نہیں دی۔ چلو تم دیکھ لو!"

بھیم سنگھ نے کہا۔ ”کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ محمدؒ بن قاسم خود یہاں آکر دیکھ لے اسے تشویش ہے!“

رانی نے جواب دیا۔ ”جاؤ لے آؤ اُسے!“

(۴)

رانی کی رہنمائی میں محمدؒ بن قاسم، زبیر، خالد، ناہید اور زہرا کے علاوہ چند سالار محل کے کونے کے کشادہ کمرے میں داخل ہوئے۔ علی خالد کو دیکھتے ہی بھاگ کر اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ رانی اس سے پہلے خود اپنی شکست اور مسلمانوں کی فتح کا حال سنا چکی تھی۔ خالد اور زبیر یکے بعد دیگرے مردوں سے بغل گیر ہوئے۔ عورتوں نے ناہید کے ساتھ گلے مل کر تشکر کے آنسو بہائے۔ محمدؒ بن قاسم نے بچّوں کے سر پہ شفقت کا ہاتھ رکھا۔ مردوں سے یکے بعد دیگرے مصافحہ کیا اور عورتوں کو تسلّی دی اور سب سے آخر میں رانی سے مخاطب ہوا۔ ”نیک دل خاتون! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں!“

رانی نے محمدؒ بن قاسم کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں یہ گواہی دے رہی تھیں کہ یہ الفاظ رسمی نہیں۔

محمدؒ بن قاسم نے خالد اور زبیر سے کہا۔ ”میرے لیے ابھی بہت سا کام باقی ہے تم انھیں اپنے ساتھ لے کر قیام گاہ میں پہنچ جاؤ!“

رانی نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔ ”یہ لوگ اس محل میں رہ سکتے ہیں!“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”شکریہ! لیکن آپ کو تکلیف ہوگی!“

رانی نے کہا۔ ”اگر میں آپ کی قید میں نہیں تو کل ارور چلی جاؤں گی اور یہ سارا محل آپ کے لیے خالی ہوگا!“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”آپ کو یہ کیسے شک ہوا کہ مسلمان مہمان نوازی کا بدلہ یوں دیا کرتے ہیں۔ آپ اگر ارور جانا چاہتی ہیں تو میں برہمن آباد کے چند سردار آپ کے ساتھ بھیج سکتا ہوں۔“

رانی نے سر سے پاؤں تک محمدؒ بن قاسم کو دیکھا اور کہا۔ ”اگر میں ارور چلی جاؤں تو کیا وہاں آپ کی افواج میرا تعاقب نہ کریں گی؟“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”ارور ظلم کی بادشاہت کا آخری قلعہ ہے اور میں اُسے فتح کرنے کا ارادہ ترک نہیں کر سکتا۔ میں وہاں ایسے قید خانے کا حال سُن چُکا ہوں جس میں ابوالحسن جیسے کئی اور قیدی دم توڑ رہے ہیں!“

رانی نے کہا۔ ”لیکن ابوالحسن تو فرار ہو چکا ہے اور ارور کے قید خانے میں باقی قیدی ہماری رعایا ہیں۔ ان کے متعلق سوچنا ہمارا کام ہے۔ اگر آپ کا قانون ہمارے قانون سے اچھّا ہے تو اُسے اپنے ملک میں چلائیے ہمیں اپنے حال پہ چھوڑ دیجیے۔ عربوں کے ساتھ بدسلوکی کی ہمیں کافی سے زیادہ سزا مل چکی ہے۔“

”لیکن ہم یہ مقصد لے کر اُٹھے ہیں کہ ملک خدا کے ہیں اور قانون بھی خدا کا ہونا چاہیے۔ ہم راجہ اور رعیت کی تفریق مٹا کر تمام انسانوں کو ایک سطح پہ لانا چاہتے ہیں۔ ہم جبر و استبداد کی بجائے عدل و انصاف کی حکومت چاہتے ہیں!“

رانی نے کہا۔ ”لیکن راجہ اور رعیت کا جھگڑا تو ہندوستان کی ہر سلطنت میں ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ جس طرح باقی ہندوستان میں دُوسرے انسانوں کا قانون نظر انداز کرتے ہیں اسی طرح ارور کو بھی اپنی حالت پر چھوڑ دیں!“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”آپ کو ہمارے متعلق غلط فہمی ہے۔ ارور ہماری آخری منزل نہیں۔ میں ہندوستان کی آخری حدود تک اس انقلاب کا پیغام لے جانا چاہتا ہوں۔ سندھ سب سے پہلے ہماری توجہات کا مرکز اس لیے بنا کہ یہاں

ستم رسیدہ انسانیت کی دبی ہوئی آواز ہمارے کانوں تک سب سے پہلے پہنچی!“

رانی نے پھر غور سے محمدؒ بن قاسم کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”تو آپ تمام ہندوستان کو فتح کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔“

”ہاں! میں تمام ہندوستان پر اسلام کی فتح چاہتا ہوں اور یہ ایک خواب نہیں۔“

رانی نے کہا۔ ”یونان سے سکندر بھی یہی ارادے لے کر آیا تھا۔ اور آپ اس سے عمر میں بہت چھوٹے ہیں!“

”لیکن سکندر بادشاہوں کے مقابلے میں شہنشاہ بن کر آیا تھا۔ اس کا مقصد لوگوں کو بادشاہوں کی غلامی سے آزادی دلوانا نہ تھا بلکہ انھیں اپنا غلام بنانا تھا۔ میں خدا کی زمین پر انسان کی بادشاہت سے منکر ہوں۔ اسے اپنی طاقت پر بھروسہ تھا مجھے خدا کی رحمت پر بھروسہ ہے۔ اُسے انسانوں کی مدد کا بھروسہ تھا۔ لیکن مجھے اللہ کی مدد کا بھروسہ ہے۔ اس کی سب سے بڑی شکست یہ تھی کہ اس کے اپنے سپاہی اس سے بگڑ گئے اور میری سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ جو کل تک میرے دشمن تھے، آج میرے ساتھی ہیں اور یہ میری فتح نہیں، اسلام کی صداقت کی فتح ہے۔“

رانی نے مایوس ہو کر کہا۔ ”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ارور پر ضرور حملہ کریں گے؟“

”یہ میرا فرض ہے!“

رانی نے ملتجی ہو کر کہا۔ ”مجھے معلوم ہے کہ برہمن آباد اور ارور کے درمیان کوئی ایسی خندق نہیں جسے آپ پاٹ نہ سکیں لیکن اگر آپ مجھے کسی نیک سلوک کی مستحق سمجھتے ہیں تو میرے بیٹے پر رحم کریں۔ وہ آپ کا آخری دم تک ساتھ دے گا۔ آپ مجھے ارور جا کر اسے سمجھانے کا موقع دیں۔ اُسے جے سنگھ نے یقین دلایا ہے کہ مہاراج مرے نہیں زندہ ہیں۔ میں اسے یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اب مقابلے سے کوئی فائدہ نہیں لیکن آپ کو یہ وعدہ کرنا ہو گا کہ ہتھیار ڈالنے کے بعد آپ اس سے کوئی بدسلوکی نہیں کریں گے۔ وہ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اگر آپ کو اس کا سندھ میں رہنا ناگوار ہو تو میں اسے کہیں دور لے جاؤں گی۔“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ ہو گی بلکہ حق کے مقابلے میں باطل کی علمبرداری سے دست کش ہو جانے کے بعد ہم اُسے قابلِ احترام سمجھیں گے۔ آپ کب جانا چاہتی ہیں؟“

”میں علی الصباح روانہ ہو جاؤں گی۔“

(۵)

سندھ کا دارالحکومت اگرچہ ارور تھا لیکن برہمن آباد کی سیاسی اور فوجی اہمیت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ آبادی کے لحاظ سے بھی یہ شہر سندھ کا سب سے بڑا شہر تھا۔ فتح کے بعد محمدؒ بن قاسم نے جو خطوط حجّاج بن یوسف اور خلیفہ ولید کو بھیجے، ان میں اس نے لکھا کہ سندھ میں قوّتِ مدافعت عملی طور پر ختم ہو چکی ہے۔ ارور کے متعلق مجھے یقین ہے کہ وہاں کی افواج لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیں گی اور اگر انھوں نے مزاحمت بھی کی تو یہ معرکہ سندھ کے باقی معرکوں کے مقابلے میں نہایت غیر اہم ہو گا۔ سندھ کا آخری اور غالباً مضبوط ترین شہر ملتان ہے اور اس کی مذہبی تقدیس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شاید پنجاب کے بعض راجہ بھی ملتان کے سندھی حاکم کا ساتھ دیں لیکن مجھے خدا کی مدد پر بھروسہ ہے۔ برہمن آباد کی فتح سے پہلے محمدؒ بن قاسم کو حجّاج بن یوسف کی ہدایات موصول ہو چکی تھیں کہ وہ دشمن کی بے جا ناز برداری نہ کرے لیکن محمدؒ بن قاسم نے ان خطوط کے جواب میں

اس بات کی وضاحت کی کہ سندھ کے باشندے ترکستان اور سپین کے باشندوں سے بہت مختلف ہیں، وہ مسلمانوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں اور نیک سلوک کے بعد ان سے بغاوت کی توقع نہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کل تک جو سپاہی ہمارے خلاف شمشیر بکف تھے آج ہمارے دوش بدوش لڑ رہے ہیں ؛

(۶)

رانی لاڈھی برہمن آباد کے چند سرداروں کی معیت میں ارور پہنچی۔ اس نے اپنے بیٹے کی یہ غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی کہ اس کا باپ زندہ ہے لیکن ففی کی سوتیلی ماں نے ہتھیار ڈال دینے کی تجویز کی مخالفت کی اور اسے طعنہ دیا کہ تمھاری ماں ملیچھ دشمن کی آلہ کار بن چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہر کے پروہت نے یہ مشہور کر دیا کہ رانی لاڈھی مسلمان سپہ سالار سے ہم کلام ہو کر اپنا دھرم بھرشٹ کر چکی ہے[1]۔ مختلف زبانوں کی حاشیہ آرائی کے ساتھ یہ خبر شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

---

[1] اس واقعہ کی آڑ لے کر بعض تاریخ دان یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ لاڈھی دیوی قبول اسلام کے بعد محمدؒ بن قاسم سے شادی کر چکی تھی۔ اور اس کا اسلامی نام عائشہ تھا لیکن یہ داستان زیادہ تر ان تاریخ دانوں کی جدّت طبع کا نتیجہ ہے جو ہر بڑے آدمی کے ساتھ عشق کی ایک داستان منسوب کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک اور داستان بھی محمدؒ بن قاسم کے ساتھ منسوب کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ محمدؒ بن قاسم نے ارور کی فتح کے بعد راجہ داہر کی دو لڑکیاں خلیفہ ولید کے پاس بھیج دی تھیں اور ایک لڑکی نے اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کی نیت سے ولید کو محمدؒ بن قاسم کے خلاف یہ کہہ کر مشتعل کر دیا تھا کہ نعوذ باللہ محمدؒ بن قاسم اُسے دربارِ خلافت میں بھیجنے سے پہلے اُس کے دامنِ عصمت پر دھبّہ لگا چکا ہے، اور ولید نے غضب ناک ہو کر محمدؒ بن قاسم کو قتل

ارور کے چند عہدیدار پرتاپ رائے کے رشتہ دار تھے۔ ان میں سے ایک نے پرتاب رائے کے قتل کا انتقام لینے کے لیے بھرے دربار میں یہ کہہ دیا کہ رانی نے محمدؒ بن قاسم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پرتاپ کو قتل کیا ہے۔ ان تمام واقعات نے ففی کو اپنی ماں کے خلاف غضب ناک کر دیا، اور اس نے لاڈھی رانی سے کہا۔ "کاش تم میری ماں نہ ہوتیں"۔

رانی کو اپنے اکلوتے بیٹے سے یہ توقع نہ تھی۔ یہ الفاظ ایک نشتر کی طرح اُس کے سینے میں اتر گئے۔ اس نے یکے بعد دیگرے اپنے بیٹے، اپنی سوکن اور حاضرینِ دربار کی طرف دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں چلاّئی :

"بیٹا! شرم کرو۔ میں تمھاری ماں ہوں۔ اگر ان لوگوں کی مدد سے مجھے تمھاری

(بسلسلہ صفحہ ۳۵۴ سے آگے) کروا دیا اور اُس کے بعد جب اُس لڑکی نے یہ بتایا کہ اس نے محض انتقام لینے کے لیے یہ قصّہ تراشا تھا تو ولید نے اُسے بھی قتل کروا دیا۔ پہلا قصّہ یوں بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ لاڈھی دیوی قبول اسلام کے بعد مسلمانوں کی پناہ میں آ چکی تھی اور امیرِ عساکر کی بیوی ہونے کی حیثیت میں اس کا منصب ہرگز ایسا نہ تھا کہ وہ ارور میں سفیر بن کر جاتی اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس کے دل میں اپنے بیٹے کے لیے بہت بڑی تڑپ تھی تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا نوجوان جو سترہ سال کی عمر میں ہندوستان فتح کرنے کا عزم رکھتا تھا، ارور کی ادنیٰ سی مہم سے کترا کر اپنی نومسلم بیوی کو ارور کے بھرے دربار میں بھیج دیتا۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ ارور کی رائے عامہ اُس کے قبولِ اسلام پر سخت مشتعل ہو سکتی تھی۔

دوسرے قصّے کے راوی وہ تاریخ دان ہیں جنھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ خلیفہ ولید محمدؒ بن قاسم سے پہلے راہیٔ ملکِ عدم ہو چکا تھا۔

کامیابی کی ذرا بھی امید ہوتی تو میں تمھیں بصرہ تک دُشمن کا تعاقب کرنے کا مشورہ دیتی لیکن یہ لوگ کمینے بھی ہیں اور بزدل بھی۔ جو تمھارے باپ کے ساتھ وفا نہ کر سکے وہ تمھارے ساتھ وفا نہیں کریں گے۔ جو دشمن لاکھوں سپاہیوں کو شکست دے چکا ہے۔ اس کے سامنے تمھارے دس بیس ہزار سپاہی نہیں ٹھہر سکتے۔ سندھ کی آدھی فوج اس کے ساتھ مل چکی ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے ان سے زیادہ غیوّر سرداروں کو مسلمانوں کے سپہ سالار کے پاؤں پر ہاتھ رکھتے دیکھ چکی ہوں۔ تمھاری خیر اسی میں ہے کہ تم ہار مان لو۔ ورنہ یاد رکھو یہ لوگ عین موقع پر تمھیں دھوکا دیں گے۔ اس وقت زیادہ جوش وہ دکھا رہے ہیں جنھیں ابھی تک دشمن کے سامنے آنے کا موقع نہیں ملا۔"

ففی نے جوش میں آکر کہا "ماتا! خاموش رہو۔ میرے ساتھی مرتے دم تک میرا ساتھ دیں گے۔"

"تو بیٹا یاد رکھو! اس جنگ میں انھیں موت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا!"

ایک ماہ کے بعد محمدؒ بن قاسم برہمن آباد کے انتظامات سے فارغ ہو کر اروڑ کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ ففی کو یہ معلوم ہوا کہ مرتے دم تک اس کا ساتھ دینے کا دعویٰ کرنے والے سرداروں کے متعلق رانی کا اندازہ صحیح تھا۔

محمدؒ بن قاسم کی فوج تے ابھی نصف راستہ طے کیا تھا کہ ایک صبح ففی کو معلوم ہوا کہ اس کے چند سردار پانچ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ راتوں رات شہر چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔

جب محمدؒ بن قاسم کی فوج اروڑ سے فقط ایک منزل کے فاصلے پر تھی۔ اروڑ سے اور تین ہزار سپاہی رات کے وقت شہر کے دروازے بند پا کر سیڑھیوں کی مدد سے فصیل سے اُتر گئے۔

ففی کا دل ٹوٹ گیا اور اس نے رہی سہی فوج کے ساتھ راہِ فرار اختیار کی۔

محمدؒ بن قاسم نے ایک نو مسلم سندھی سردار کو شہر کا حاکم مقرر کیا اور چند دن کی تیاری کے بعد ملتان کی طرف پیش قدمی کی۔

اُن کا دیوتا

ملتان کے محاصرہ کے دوران میں محمدؒ بن قاسم کو حجّاج بن یوسف کی وفات کی خبر ملی۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنی بیوی کا مکتوب ملا۔ جس میں اس نے اپنے باپ کی موت کا ذکر کرنے کے بعد محمدؒ بن قاسم کی ماں کے متعلق لکھا کہ ان کی صحت پھر خراب ہو گئی ہے لیکن ان کی یہ خواہش ہے کہ آپ ہندوستان میں اپنا کام ختم کیے بغیر گھر آنے کا ارادہ نہ کریں۔ زبیدہ نے اپنے متعلق لکھا ”میں ان ہزاروں بیویوں سے مختلف نہیں۔ جن کے شوہر سندھ، ترکستان اور اندلس میں برسرِ پیکار ہیں اور سندھ کے سپہ سالار کی بیوی ہوتے ہوئے میرا یہ فرض ہے کہ میں آپ کی جدائی کو عام سپاہیوں کی بیویوں کی نسبت زیادہ صبر و سکون کے ساتھ برداشت کروں، آپ نے لکھا تھا کہ ملتان کی فتح کے بعد ہمیں اپنے پاس بُلوا لیں گے لیکن والدہ کی صحت شاید آیندہ چند مہینے انھیں سفر کی اجازت نہ دے۔ مجھے ڈر ہے کہ گھر کے متعلق آپ کی تشویش، آپ کی فتوحات کی رفتار پر اثر انداز نہ ہو۔ انتہائی تکلیف کے وقت آپ کی فتح کی خبر سن کر اُن کے چہرے پر رونق آ جاتی ہے۔ جب کبھی ان کا جی اُداس ہوتا ہے تو میں ان کے منہ سے یہ دُعا سُنتی ہوں۔

”یا اللہ! مجھے قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کی ماؤں کا صبر و استقلال دے۔“ اور جب کبھی وہ مجھے غمگین دیکھتی ہیں تو یہ کہتی ہیں کہ ”زبیدہ! تم ایک مجاہد کی بیوی ہو۔“ ناہید اور زہرا کو میرا سلام پہنچا دیجیے۔ مجھے ان بہنوں پر رشک آتا ہے جو ہر روز سندھ کے میدانوں میں مجاہدوں کے گھوڑوں سے اُڑنے والی گرد دیکھتی ہیں۔ بصرہ میں ان عورتوں اور بچوں کا انتظار ہو رہا ہے۔ جنھیں آپ نے برہمن آباد کے قید خانے سے آزاد کروایا ہے۔ انھیں کب بھیجیں گے؟ میں اس سے زیادہ اور کیا دُعا کر سکتی ہوں کہ آپ کا ہر قدم بلندی کی طرف ہو اور میری نگاہ کا ہر آسمان آپ کے سمندِ اقبال کے پاؤں چومے۔“

چند دن کی مزاحمت کے بعد ملتان کے باشندوں نے ہتھیار ڈال دیے اور محمدؒ بن قاسم، امیر داؤد نصر کو ملتان کا امیرِ اعلیٰ مقرر کر کے ارور کی طرف واپس ہوا۔ راستے میں اسے خبر ملی کہ قنوج[1] کا راجہ ہری چندر راجکمار جے سنگھ کو پناہ دے کر سندھ پر حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی محمدؒ بن قاسم یلغار کرتا ہوا ارور پہنچا اور وہاں قیام کیے بغیر قنوج پر چڑھائی کر دی۔ سندھ اور راجپوتانہ کی سرحد پر دونوں افواج کا سامنا ہوا۔ راجہ ہری چندر جے سنگھ کی زبانی یہ سُن کر اس کی اعانت کے لیے آمادہ ہوا تھا کہ بیرونی حملہ آوروں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں لیکن جب اس نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ محمدؒ بن قاسم کی جے کے نعرے لگانے والے سندھی، عربوں سے کہیں زیادہ ہیں تو وہ جے سنگھ کو کوستا ہوا میدان چھوڑ کر واپس بھاگ گیا۔ جے سنگھ کے بعض ساتھیوں نے اُسے

---

[1] یہ قنوّج جنوبی ہند کا مشہور شہر نہیں بلکہ موجودہ اودھے پور کے قریب اس زمانے کی ایک طاقتور ریاست کا دارالحکومت تھا۔

محمدؒ بن قاسم کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھانے کا مشورہ دیا لیکن اس نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر بھی یہ مشورہ قبول نہ کیا اور جنوب کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ صرف دو سرداروں نے اس کا ساتھ دیا اور باقی محمدؒ بن قاسم کی پناہ میں چلے آئے۔

اس کے بعد محمدؒ بن قاسم سندھ کے انتظامات درست کرنے اور سندھ کی ہمسایہ ریاستوں پر چڑھائی کرنے سے پہلے اپنی افواج کو از سر نو منظم کرنے کے لیے ارور واپس چلا آیا۔ بصرہ سے ایک قاصد اس کی آمد سے ایک دن پہلے ارور پہنچ چکا تھا۔ اس نے محمدؒ بن قاسم کو دیکھتے ہی کہا "سالارِ اعظم! میں ایک بہت بری خبر لایا ہوں!"

محمدؒ بن قاسم کے پرسکون چہرے پر تفکرات کے ہلکے سے آثار پیدا ہوئے اور اس نے اپنے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا "یہ خبر میری ماں کے متعلق تو نہیں؟"

ایلچی نے اثبات میں سر ہلایا اور جیب سے خط نکال کر محمدؒ بن قاسم کے ہاتھ میں دے دیا۔ محمدؒ بن قاسم نے جلدی سے خط کھول کر پڑھا اور "اِنا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون" کہہ کر گردن جھکا لی۔

شام کے وقت شاہی محل کے اس حصے میں جسے محمدؒ بن قاسم نے اپنے قیام کے لیے منتخب کیا تھا، شہر کے معززین کے علاوہ کئی بیوائیں جمع تھیں، جن کی نگاہوں میں فاتح سندھ ایک نیک دل بھائی اور ایک رحم دل باپ کا رتبہ حاصل کر چکا تھا جو اسے اس دیوتاؤں کی سرزمین پر ایک نیا دیوتا خیال کرتے تھے۔

محمدؒ بن قاسم نے محل سے باہر نکل کر ایک مختصر سی تقریر میں ان کا شکریہ ادا کیا۔

رات کے وقت اس نے مشعل کی روشنی میں پھر ایک بار زبیدہ کا مکتوب پڑھا اور اس کی نگاہیں دیر تک ان الفاظ پر مرکوز رہیں۔ بسترِ مرگ پر امیؔ جان کے آخری الفاظ یہ تھے "میری رُوح جسم کی قید سے آزاد ہو کر ان میدانوں پر پرواز کر سکے گی جہاں میرا بیٹا اسلام کی فتوحات کے جھنڈے نصب کر رہا ہے"۔

(۲)

تین ماہ کے بعد محمدؒ بن قاسم عرب سپاہیوں کے علاوہ ایک لاکھ سندھی نو مسلم اور اُن غیر مسلم سپاہیوں کو فوجی تربیت دے چکا تھا جو اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود باقی تمام ہندوستان کی آخری حدود تک اس کمسن سالار کی فتوحات کے پرچم لہرانا انسانیت کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے تھے۔ جس کے عدل و انصاف نے اسے مفتوحہ علاقے کے ہر باشندے کی نگاہ میں ایک دیوتا بنا دیا تھا۔ وہ اسے اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے اور باقی ہندوستان کے لیے ایسے نجات دہندہ کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

ایک دن ارور کے ایک مشہور سنگ تراش نے شہر کے ایک چوراہے میں اپنا شاہکار نمائش کے لیے رکھ دیا۔ یہ سنگ مرمر کی ایک مورتی تھی جس کے نیچے یہ الفاظ کندہ تھے۔ "وہ دیوتا جس نے اس ملک میں عدل اور مساوات کی حکومت قائم کی"۔

شہر کے ہزاروں باشندے اس مورتی کے گرد جمع ہو گئے اور مورتی کو پاؤں سے لے کر سر تک پھولوں میں ڈھانپ دیا۔ ارور کے بہت سے سردار اس مورتی کو اپنے گھر کی زینت بنانے کے لیے سنگ تراش کو منہ مانگے دام دینے کے لیے تیار تھے لیکن شہر کے پروہتوں کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ محمدؒ بن قاسم

جیسے دیوتا کی مورتی کا مقام سرداروں کے محل نہیں بلکہ ہمارے مندر ہیں۔ سنگ تراش نے بھی اپنے شاہکار کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ اسے کسی مندر میں جگہ دی جائے۔ پروہتوں نے اس کے لیے بدھ کا ایک پرانا مندر منتخب کیا۔

شام کے وقت مورتی کو مندر کی طرف لے جاتے ہُوئے شہر کے پروہتوں اور عوام کا جلوس شاہی محل کے سامنے سے گزرا۔ بھیم سنگھ نے بھاگ کر محمدؒ بن قاسم کو اطلاع دی کہ لوگ آپ کی مورتی کو مندر میں نصب کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔

محمدؒ بن قاسم پریشان ہو کر محل سے باہر نکلا۔ جلوس اسے محل کے دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑا دیکھ کر رُک گیا۔ شہر کے بڑے پروہت نے آگے بڑھ کر کہا۔

”یہ لوگ آپ کی اس سے زیادہ عزت نہیں کر سکتے۔ یہ ایک سنگ تراش کا کمال ہے۔ لیکن آپ کی تصویر جو اُن کے دلوں میں ہے، اس مورتی سے کہیں زیادہ حسین ہے۔“

محمدؒ بن قاسم نے بلند آواز میں ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ٹھہرو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں!“

ناقوس اور شہنائیوں کی صدائیں بند ہو گئیں اور مجمع پر ایک سکوت طاری ہو گیا۔ محمدؒ بن قاسم نے اپنی تقریر میں اصنام پرستی کے متعلق اسلام کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کی اور اختتام پر عوام سے یہ اپیل کی:۔

”مجھے گنہگار نہ کرو۔ مجھ میں اگر کوئی خوبی ہے، تو وہ اسلام کی عطا کی ہوئی ہے اگر اسلام کا پیروکار ہو کر میں انسانیت کی کوئی اچھی مثال بن سکتا ہوں تو یہ دروازہ سب کے لیے کھلا ہے۔ تم میری پُوجا نہ کرو بلکہ اس کی پُوجا کرو جس نے مجھے بنایا ہے، جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ جس کا دین ہر انسان کو عدل و مساوات اور حرّیت کا سبق دیتا ہے!“

لوگ جذبات سے مغلوب تھے لیکن مورتی کے مقابلے میں وہ جیتے جاگتے دیوتا کے حکم کی تکمیل سے انکار نہ کر سکے۔ جب محمدؒ بن قاسم نے یہ کہا کہ ”مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر روحانی تکلیف ہوئی ہے۔“ تو سنگ تراش نے آگے بڑھتے ہوتے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ”ایک سنگ تراش صرف مورتی بنا کر اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا ہے۔ میں نے دیوتاؤں کے نام سُنے تھے اور ان کی مختلف خیالی تصویریں بنایا کرتا تھا۔ مگر اب آپ کو دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہو چکا ہے کہ میں خواہ کسی دیوتا کی تصویر بناؤں اس کی شکل و صورت وہی ہوگی جو آپ کی ہے۔ میرا بیٹا بیلا کی جنگ میں زخمی ہوا تھا۔ آپ نے دوسرے زخمیوں کی طرح اس کی بھی تیمارداری کی اور اُس کے زخم اچھے ہو گئے لیکن یہاں پہنچ کر وہ بیمار ہو گیا اور چند دن کے بعد چل بسا مرتے وقت وہ آپ کے اس رومال کو چوم رہا تھا جو آپ نے اس کے زخم پر باندھا تھا اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اس کی مورتی بناؤں گا لیکن آپ کو برہم دیکھ کر شاید اس کی آتما کو بھی دکھ ہو۔ میں اپنے بیٹے کے دیوتا کی پوجا کرنے کی بجائے اس کا حکم ماننا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر آپ کا حکم ہے تو میں یہ مورتی توڑنے کے لیے تیار ہوں!“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”یہ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہوگا!“

”احسان؟ یوں نہ کہیے۔ اس مورتی کے ٹوٹ جانے کے بعد بھی میں آپ کو ایک دیوتا ہی سمجھوں گا اور سندھ کے لاکھوں انسان بھی آپ کو دیوتا ہی خیال کریں گے۔“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”لیکن میری تمنّا فقط یہ ہے کہ میں اس ملک میں انسانیت کا ایک خادم ہونے کی حیثیت میں پہچانا جاؤں۔“

سنگ تراش نے سینے پر پتھر رکھ کر تیشے کی ایک ضرب سے مورتی کے

ٹکڑے اڑادیے لیکن ہجوم ان ٹکڑوں کو جواہرات کا انبار سمجھ کر ان پر ٹوٹ پڑا۔

اس واقعے کے بعد ارور کے ہزاروں باشندے اسلام کی تعلیم کے ساتھ دلچسپی لینے لگے اور سندھ کے طول و عرض میں نومسلموں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہونے لگا۔

(۳)

ارور سے چند سالار رخصت پر جارہے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ واپسی پر اپنے بال بچوں کو ساتھ لاکر مستقل طور پر سندھ میں آباد ہوجائیں۔

محمدؒ بن قاسم نے زبیدہ کو لکھا کہ وہ بصرہ سے سندھ آنے والی خواتین کے ساتھ چلی آئے اور بصرہ کے حاکم کو یہ بھی لکھا کہ اسے باقی عورتوں کے ساتھ سپاہیوں کی حفاظت میں ارور تک پہنچانے کا انتظام کرے۔ اس کے بعد وہ چند دن راجپوتانہ اور پنجاب کی تسخیر کے لیے نقشے بنانے میں مصروف رہا۔ چند دن کے غور و خوض کے بعد اس نے پنجاب سے پہلے راجپوتانہ کو مسخّر کرنا ضروری خیال کیا، اس کا ارادہ تھا کہ زبیدہ کی آمد تک راجپوتانہ کی مہم سے فارغ ہو جائے اور اس کے بعد ملتان کو اپنا مستقر بنا کر پنجاب کا رُخ کرے چنانچہ اس نے بصرہ جانے والے سپاہیوں کے رخصت ہونے کے سات دن بعد ایک شام شہر سے باہر فوجی مستقر میں اپنی فوج کے سامنے مختصر سی تقریر کرنے کے بعد انھیں یہ حکم دیا کہ وہ علی الصباح کوچ کے لیے تیار رہیں۔

لیکن ایک مغربی مؤرخ کے قول کے مطابق محمدؒ بن قاسم کا آفتاب اقبال عین دوپہر کے وقت غروب ہورہا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد جب ارور کے باشندے پڑاؤ میں جمع ہوکر محمدؒ بن قاسم کو الوداع کہہ رہے تھے اور عورتیں آگے بڑھ بڑھ کر سپاہیوں کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈال رہی تھیں۔ اچانک

ایک طرف سے اڑتی ہوئی گرد دکھائی دی اور آن کی آن میں پچاس مسلّح عرب نمودار ہوئے۔ محمدؒ بن قاسم ایک سفید گھوڑے پر سوار فوج کی صفوں میں چکّر لگا رہا تھا۔ دور سے آنے والے سواروں کی رفتار دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا اور وہ اپنے چند سالاروں کے ساتھ ایک طرف ہوکر آنے والے سواروں کی راہ تکنے لگا۔

ان سواروں کے ہمراہ محمدؒ بن قاسم کے وہ سالار بھی تھے جو ایک ہفتہ پہلے بصرہ کے لیے رخصت پر روانہ ہوئے تھے۔ ایک سوار نے آگے بڑھ کر محمدؒ بن قاسم کو ایک خط پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ امیرالمومنین سلیمان بن عبدالملک کا مکتوب ہے۔"

محمدؒ بن قاسم نے چونک کر کہا۔ "امیرالمومنین ..... سلیمان ......؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں! خلیفہ ولید وفات پاچکے ہیں۔"

محمدؒ بن قاسم نے "اِنا للہِ وَاِنا الیہِ رَاجعُونَ" کہہ کر جلدی سے خط کھول کر پڑھا اور کچھ دیر گردن جُھکا کر سوچنے کے بعد قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے سلیمان سے یہی توقع تھی۔ یزید بن ابوکبشہ کون ہیں؟"

ایک ادھیڑ عمر آدمی نے گھوڑا آگے کیا۔ "میں ہوں!"

محمدؒ بن قاسم نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر یزید بن ابوکبشہ سے مصافحہ کیا اور کہا۔ "آپ کو اس فوج کی قیادت مبارک ہو۔ میں امیرالمومنین کی بیڑیاں پہننے کے لیے حاضر ہوں!"

یزید بن ابوکبشہ، محمدؒ بن قاسم کی مغموم مُسکراہٹ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے پڑاؤ میں ان بے شمار سپاہیوں کی طرف دیکھا جو کوچ کے لیے امیر عساکر کے حکم کے منتظر تھے پھر ان سالاروں کی طرف دیکھا جو ولید کی موت اور سلیمان کی مسند نشینی کی خبر سُن کر محمدؒ بن قاسم کے گرد جمع ہوگئے تھے۔

یزید بن ابوکبشہ نے محسوس کیا کہ وہ خود ایک لاکھ جانبازوں کے قائد کے سامنے ایک مجرم کی حیثیت میں کھڑا ہے۔ محمدؒ بن قاسم کے یہ الفاظ کہ "میں امیرالمومنین کی بیڑیاں پہننے کے لیے حاضر ہوں!" اس کے کانوں میں بار بار گونج رہے تھے۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت نے اس کے کندھوں پر زمین آسمان کا بوجھ لاد دیا ہے۔ محمدؒ بن قاسم کی طرف اس کی نگاہیں کئی بار اُٹھ اُٹھ کر جھکیں اور جھک جھک کر اُٹھیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ کئی بار الفاظ اس کی زبان تک آ آ کر رُک گئے۔ بالآخر اس نے کہا۔ "میرے دوست! قدرت نے یہ خفت میرے حصّے میں لکھی تھی۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ فقط ایلچی ہیں۔ خالد! انھیں محل میں لے چلو اور زبیر تم سپاہیوں کو حکم دو کہ ہم نے آج کوچ کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

بھیم سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اگر اس خط میں کوئی راز کی بات نہ ہو تو ہم سب یہ جاننے کیلیے بے قرار ہیں کہ دربارِ خلافت سے آپ کو کیا حکم ملا ہے؟"

محمدؒ بن قاسم نے خط محمدؒ بن ہارون کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کو پڑھ کر سُنا دیں گے۔"

(۴)

شام کے وقت ارور کے ہر گلی کوچے میں کہرام مچا ہوا تھا۔ حجاج بن یوسف کے خاندان کے ساتھ سلیمان کی پرانی دشمنی کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ ہر گھر میں سندھ کے نئے گورنر کی آمد اور محمدؒ بن قاسم کی روانگی کا ذکر ہو رہا تھا۔ شہر کے ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے شاہی محل کے گرد جمع ہو کر شور مچا رہے تھے۔ نمازِ مغرب کے بعد محمدؒ بن قاسم کی فوج کے تمام عہدیدار محل کے ایک

وسیع کمرے میں جمع ہوئے۔ محمدؒ بن قاسم کو اس کی مرضی کے خلاف اس اجتماع میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اس نے ایک مختصر سی تقریر میں کہا:۔

"میں صبح دمشق روانہ ہو جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور اس فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ایک سپاہی کا سب سے پہلا فرض اطاعتِ امیر ہے۔ آپ اس حادثے سے پریشان نہ ہوں اور اپنے نئے حاکم کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ امیرالمومنین سلیمان غالباً یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میرے دل میں اطاعت امیر کا جذبہ ہے یا نہیں۔ دمشق سے روانگی کے وقت وہ مجھ سے بدظن ہو گئے تھے لیکن یہ وہ زمانہ تھا، جب ان پر کسی ذمہ داری کا بوجھ نہ تھا۔ اب وہ امیرالمومنین ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کے مزاج میں تبدیلی آ چکی ہو گی۔ بہت ممکن ہے کہ وہ مجھے ہندوستان میں اپنا ادھورا کام پورا کرنے کے لیے بھیج دیں لیکن اگر میں ان کی غلط فہمی دور نہ کر سکا اور مجھے دوبارہ یہاں آنے کا موقع نہ دیا گیا تو بھی یزید بن ابوکبشہ کی اطاعت تمھارا فرض ہو گا!"

بھیم سنگھ نے کہا۔ "آپ جو حکم دیں ہم ماننے کے لیے تیار ہیں لیکن سندھ کے تمام سرداروں کی رائے یہ ہے کہ آپ اس وقت تک یہاں سے نہ جائیں جب تک کہ آپ کو خلیفہ کی نیک نیتی کا یقین نہ ہو جائے۔ میں زبیر سے دمشق کے واقعات سُن چکا ہوں اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سلیمان آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرے گا۔ ہم آپ کو سلیمان کی رعیت نہیں سمجھتے بلکہ اپنے دلوں کا بادشاہ سمجھتے ہیں۔ ہم آپ کے اشارے پر آگ میں کود سکتے ہیں لیکن یہ گوارہ نہیں کر سکتے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کو بیڑیاں پہنائی جائیں۔ آپ کے عرب ساتھیوں کے دلوں میں دربارِ خلافت کا احترام ہو تو ہو لیکن ہم ایسے خلیفہ کا احترام کرنے کے لیے تیار نہیں جو سندھ کو اس کے محسن اعظم سے

محروم کرنا چاہتا ہے۔ ہم زندگی اور موت میں آپ کا ساتھ دینے کا عہد کر چکے ہیں اور یہ عہد ٹوٹنے والا نہیں۔ آپ سندھ میں رہیں، سندھ کو آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کے عرب ساتھی اگر آپ کا ساتھ چھوڑ بھی دیں تو بھی ہماری ایک لاکھ تلواریں آپ کی حفاظت کے لیے موجود ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ سندھ کا ہر بچّہ اور بوڑھا خطرے کے وقت آپ پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گا۔ بھگوان کے لیے آپ نہ جائیں اور کم از کم اس وقت تک نہ جائیں جب تک ہمیں یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ سلیمان آپ کے ساتھ بدسلوکی نہیں کرے گا۔ اگر میرے الفاظ آپ اثر نہیں کرتے تو آپ اس محل کے نیچے جھانک کر دیکھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ وہ ہزاروں یتیم جو آپ کو اپنا باپ سمجھتے ہیں، وہ ہزاروں بوڑھے جو آپ کو اپنا بیٹا سمجھتے ہیں اور وہ بیوائیں جو آپ کو اپنا بھائی سمجھتی ہیں، آپ پر کوئی حق رکھتے ہیں یا نہیں؟"

اختتام پر بھیم سنگھ کی آواز بھرّا گئی۔ حاضرین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

زبیر نے کہا۔ "آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلیمان آپ کے ساتھ نیک سلوک نہیں کرے گا۔ آپ یہیں ٹھہریں اور مجھے امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع دیں۔ میری جان اس قدر قیمتی نہیں لیکن سندھ اور عالم اسلام کو آپ کی ضرورت ہے۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "میں اپنے ہر سپاہی کی جان کو اپنی جان سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہوں اور بھیم سنگھ! تمھارا اور تمھارے ساتھیوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں لیکن تم میری ذات کو میرے مقصد سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ دربارِ خلافت سے میری

بغاوت دراصل اس عظیم الشان مقصد سے بغاوت ہو گی جس کے لیے گزشتہ ایک صدی میں لاکھوں سرفروش اپنا خون بہا چکے ہیں۔ یہ ایک لاکھ انسان تمام ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے کافی ہیں اور میری جان اس قدر اہم نہیں کہ میں سندھ کی ایک لاکھ تلواروں کو عالم اسلام کی ایک لاکھ تلواروں سے ٹکرانے کی اجازت دے دوں۔ ایسی بغاوت میں میری فتح بھی مسلمانوں کی بدترین شکست کے مترادف ہو گی۔ کیا میں یہ گوارا کر سکتا ہوں کہ اس وقت ترکستان اور اندلس میں ہماری جو افواج مصروفِ جہاد ہیں، وہ صرف اس لیے واپس بلا لی جائیں کہ سندھ کے سپہ سالار نے اپنی جان کے خوف سے عالمِ اسلام کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔ اگر یہ سوال میری اور سلیمان کی ذات تک محدود ہوتا تو شاید میں اس کے سامنے ہتھیار نہ ڈالتا لیکن میں اس قوم کے سامنے ہتھیار ڈال رہا ہوں جو سلیمان کو اپنا خلیفہ تسلیم کر چکی ہے۔ اگر میری موت مسلمانوں کو اتنے بڑے انتشار سے بچا سکے تو میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔ تم یہ کہہ چکے ہو کہ تم میرے اشارے پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو۔ میں تم سے کوئی قربانی طلب کرنے کا حق دار نہیں لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ سندھ سے رخصت ہوتے وقت میرے دل پر کوئی بوجھ نہ ہو اور میں اپنے دل میں یہ اطمینان لے کر جاؤں کہ سندھ میں میرا کوئی کام ادھورا نہ تھا تو تم جو دین عملاً قبول کر چکے ہو اس کا زبان سے بھی اعلان کر دو۔ میری یہ دعوت اپنے ان تمام احباب کے لیے ہے جو اس جگہ موجود ہیں۔ تم جیسے لوگوں کے قبولِ اسلام کے بعد سندھ کا مستقبل کسی محمدؒ بن قاسم کا محتاج نہ ہو گا، اب عشا کی نماز کا وقت ہو رہا ہے اور آج میری حالت اس مسافر کی سی ہے جو ایک لمبے سفر کے بعد منزل پر قدم رکھتے ہی سو جانا چاہتا ہو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ میری ذات سے متاثر ہو کر فوراً کوئی فیصلہ کریں لیکن

اگر آپ دل سے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کر چکے ہیں تو مجھے آپ کا اعلان سُن کر روحانی مسرت ہوگی!"

بھیم سنگھ نے بلند آواز میں کلمہ توحید پڑھتے ہوئے کہا۔ "میں اگر اسلام کی خوبیوں کا معترف نہ بھی ہوتا تو بھی میں آپ کی دعوت پر انکار نہ کرتا۔ میرے نزدیک اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ جیسے لوگ مسلمان ہیں!

محمدؒ بن قاسم نے اُٹھ کر بھیم سنگھ کو سینے سے لگا لیا اور کہا۔ "مسلمانوں میں تمھیں مجھ جیسے ہزاروں انسان ملیں گے۔"

آٹھ اور سرداروں نے بھیم سنگھ کی تقلید کی اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

جب یہ لوگ عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے کمرے سے باہر نکل رہے تھے تو محل کے ایک اور کمرے سے ارور کے بڑے پروہت کی قیادت میں معززین شہر کا ایک وفد یزید بن ابوکبشہ سے ملاقات کے بعد واپس جا رہا تھا۔ اس وفد کے ارکان مرجھائے ہوئے چہروں کے ساتھ یزید کے کمرے میں داخل ہوئے تھے اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔ یزید ان کے دیوتا کی جان بچانے کا وعدہ کر چکا تھا۔ اور وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ سندھ کے آفتاب کے گرد جمع ہونے والے بادل چھٹ چکے ہیں۔

پروہت اور اس کے ساتھی محل سے باہر نکلے تو بے شمار لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ہزاروں سوالات کے جواب میں پروہت نے فقط یہ کہا کہ "تم اپنے اپنے گھر جاؤ! سندھ کے مقدر کے ستارے کی نحوست ٹل چکی ہے۔ تمھارا دیوتا تمھیں مل جائے گا۔"

سُلیمان کا قیدی

عشاء کی نماز کے بعد جب محمدؒ بن قاسم اپنی قیام گاہ میں داخل ہو رہا تھا تو یزید بن ابوکبشہ نے آواز دی۔ خالد، زبیر اور بھیم سنگھ ابوکبشہ کے ساتھ آ رہے تھے محمدؒ بن قاسم دروازے پر رُک کر اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ یزید نے قریب پہنچ کر خالد، زبیر اور بھیم سنگھ کو رُخصت کیا اور محمدؒ بن قاسم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

کمرے میں مشعل جل رہی تھی۔ علی کرسی پر سو رہا تھا۔ محمدؒ بن قاسم نے یزید کو ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس لڑکے کو میرے ساتھ بہت محبت ہے۔ یہ بھی برہمن آباد میں قید تھا۔"

یزید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس سرزمین میں وہ کون ہے جسے آپ کے ساتھ محبت نہیں۔"

محمدؒ بن قاسم نے کُرسی پر بیٹھتے ہوئے موضوعِ سخن بدلنے کی نیت سے کہا۔ "میں چاہتا تھا کہ رخصت ہونے سے پہلے آپ کو سندھ کے تمام حالات بتا دوں میرا ارادہ تھا کہ علی الصباح آپ سے ملوں لیکن یہ اچھا ہوا کہ آپ خود ہی آ گئے۔"

یزید نے کہا "میں آپ سے سندھ کے حالات پوچھنے نہیں آیا۔ میں آپ کو یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ آپ یہیں رہیں گے۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "آپ کی ہمدردی کا شکریہ! لیکن میں امیرالمومنین کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا۔"

"لیکن آپ نہیں جانتے کہ سلیمان آپ کے خون کا پیاسا ہے!"

"مجھے معلوم ہے، مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے خون کے چند قطروں کے لیے عالمِ اسلام دو حصوں میں تقسیم ہو جائے۔"

"آپ اس عمر میں میری توقعات سے کہیں زیادہ دور اندیش ہیں پھر بھی مجھے یقین ہے کہ اگر میں خود جا کر سلیمان کو یہ بتاؤں کہ سندھ میں ایک لاکھ سے زیادہ سپاہی آپ کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے، تو وہ آپ کے خلاف یقیناً اعلانِ جنگ نہیں کرے گا۔"

"لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ میں اور میرے ساتھ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت مرکز سے کٹ کر علیحدہ ہو جائے گی اور ہم اس دنیا میں ایک اجتماعی جدوجہد کے انعام سے محروم ہو جائیں گے۔ میں آپ کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ لامرکزیت دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو لے ڈوبتی ہے!"

یزید نے کہا "میرے پاس نماز سے پہلے ارور کے معززین کا ایک وفد آیا تھا اور وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا دیوتا ہم سے نہ چھینیے! اگر سلیمان نے آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی تو وہ تمام ہندوستان کو اس کے خلاف مشتعل کر دیں گے۔"

"آپ اس بات کی فکر نہ کریں! میں انھیں سمجھا لوں گا۔"

یزید، محمدؒ بن قاسم کا فیصلہ اٹل سمجھ کر خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد محمدؒ بن قاسم نے اسے سندھ کے تمام حالات بتائے اور اس ملک کے باشندوں کے ساتھ رواداری برتنے اور مشکل وقت میں ناصرالدین والی دیبل اور بھیم سنگھ کی ہدایات پر عمل کرنے کی تاکید کی۔

یزید نے اٹھتے ہوئے کہا "میں آپ سے صرف ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ سلیمان کے حکم کی تعمیل میں یہاں سے بیڑیاں پہن کر رخصت ہونے پر ضد نہ کریں۔ اس سے ہزاروں انسانوں کے دل مجروح ہوں گے اور ممکن ہے کہ لوگ مشتعل بھی ہو جائیں۔"

"اگر آپ اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں تو میں ضد نہیں کروں گا۔ ورنہ اطاعتِ امیر کی بیڑیاں پہنتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا۔"

یزید نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں ایک اور سوال پوچھنا چاہتا ہوں عرب سالاروں میں سے آپ کا بہترین دوست کون ہے؟"

"میرے سب دوست ہیں لیکن جو شخص میری زندگی کے ہر پہلو سے واقف ہے وہ زبیر ہے، وہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہے گا!"

"نہیں، میں اسے ایک ضروری کام کے لیے فوراً مدینہ بھیجنا چاہتا ہوں!"

"وہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا!"

"میں آپ کے رخصت ہونے سے پہلے اسے روانہ کر دینا چاہتا ہوں، آپ اسے میرے کمرے میں بھیج دیں۔"

محمدؒ بن قاسم نے علی کو جگایا اور کہا "انھیں ان کے کمرے میں چھوڑ آؤ اور زبیر کو ان کے پاس بھیج دو!"

(۴)

یزید کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر علی، زبیر کو بلانے کے لیے چلا گیا اور یزید

مشعل کی روشنی کے سامنے بیٹھ کر خط لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد زبیر اندر داخل ہوا۔ یزید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

زبیر دیر تک بیٹھا رہا۔ خط ختم کرنے کے بعد یزید اس کی طرف متوجہ ہوا۔ آپ ایک لمبے سفر کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ خط پڑھ لیں!"

یزید نے خط زبیر کے ہاتھ میں دے دیا۔ زبیر نے خط پڑھا اور اس کے مرجھائے ہوئے چہرے پر امید کی روشنی جھلکنے لگی۔ یزید کا یہ خط حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نام تھا جس میں اس نے محمدؒ بن قاسم کو عالم اسلام کا جلیل القدر مجاہد ثابت کرنے کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے یہ اپیل کی تھی کہ وہ اسے سلیمان کے انتقام سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ یزید کے مکتوب کے آخری الفاظ یہ تھے:۔

"محمدؒ بن قاسم جیسے مجاہد بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے آدمی دیکھے ہیں لیکن اس نوجوان کی عظمت کا میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا، جس نے سترہ برس کی عمر میں سندھ فتح کیا اور اب اپنے ایک لاکھ بارہ ہزار جاں بازوں کی موجودگی میں خوشی سے اطاعتِ امیر کی بیڑیاں پہننے کے لیے تیار ہے۔ محمدؒ بن قاسم اسلام کے جسم میں ایک ایسا دل ہے جس کی ہر دھڑکن مجھ جیسے انسانوں کی عمر بھر کی ریاضت سے زیادہ قیمتی ہے۔ آپ عالمِ اسلام کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان سے بچا سکتے ہیں۔"

زبیر نے خط پڑھ کر یزید کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "آپ کو یقین ہے کہ وہ سلیمان پر اثر ڈال سکیں گے!"

"مجھے یقین ہے۔ تم جاؤ، وہ اس وقت مدینے میں ہیں لیکن راستے میں ایک لمحہ ضائع نہ کرنا۔ سلیمان کے مشیر جنھیں محمدؒ بن قاسم کے ساتھ فقط اس

لیے عناد ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کا داماد ہے۔ ہر ممکن کوشش کریں گے کہ اس کے متعلق فوراً فیصلہ ہو جائے۔ سلیمان خود اتنے بااثر آدمی کو زیادہ دیر تک زندہ رکھنا خطرناک خیال کرے گا۔ عمرؒ بن عبدالعزیز اگر مدینہ میں نہ ہوئے تو جہاں بھی وہ ہوں، تم وہاں پہنچو اور کوشش کرو کہ وہ محمدؒ بن قاسم کی قسمت کا فیصلہ ہونے سے پہلے دمشق پہنچ جائیں۔ میرے نزدیک یہ مہم تمام ہندوستان کی فتح سے زیادہ اہم ہے۔"

زبیر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی جاتا ہوں۔"

"جاؤ! خدا تمھاری مدد کرے۔"

زبیر، یزید کے کمرے سے نکل کر بھاگتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا۔ ناہید، خالد اور زہرہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "کیا خبر لائے؟"

"میں مدینے جا رہا ہوں۔" زبیر صرف اتنا کہہ کر عقب کے کمرے میں لباس تبدیل کرنے کے لیے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لباس تبدیل کر کے باہر نکلا۔ ناہید نے کوئی سوال پوچھے بغیر کھونٹی سے تلوار اتار کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔

خالد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

زبیر نے تلوار کمر کے ساتھ باندھتے ہوئے کہا۔ "نہیں تم ناہید اور زہرا کو لے کر محمدؒ بن قاسم کے ساتھ بصرہ پہنچ جاؤ۔"

زہرا نے کہا۔ "بھیا! مدینے میں آپ کو کیا کام ہے؟"

زبیر نے جواب دیا۔ "میں ایک ایسے آدمی کے پاس یزید کا خط لے کر جا رہا ہوں جو محمدؒ بن قاسم کو بچا سکتا ہے۔ خالد! تم بصرہ پہنچ کر سیدھے محمدؒ بن قاسم کے گھر چلے جانا اور زبیدہ کو تسلی دینا۔ مجھے امید ہے کہ میں بھی بہت جلد وہاں پہنچ جاؤں گا۔ ناہید خدا حافظ! زہرا! میری کامیابی کے لیے دعا کرنا۔" زبیر یہ

کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

راستے میں محمدؒ بن قاسم کا کمرہ تھا۔ اندر مشعل ٹمٹما رہی تھی۔ اس نے دروازے پر رُک کر اندر جھانکا اور پھر کچھ سوچ کر دبے پاؤں اندر چلا گیا۔ محمدؒ بن قاسم گہری نیند سو رہا تھا ایک معصوم بچّے کی سی مسکراہٹ جسے زبیر نیند کی حالت میں اکثر اس کے ہونٹوں پر دیکھ چکا تھا۔ آج بھی اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ سرہانے کی طرف دیوار کی کھونٹی پر وہ تلوار لٹک رہی تھی جسکے ساتھ کمسن اور نوجوان سالار نے سندھ کے مضبوط قلعوں اور سندھ کے باشندوں کے قلوب کو مسخّر کر لیا تھا۔

ایک نامعلوم جذبے کے ماتحت زبیر کا دل دھڑکا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کانپتی ہوئی آواز میں آہستہ سے یہ کہہ کر باہر نکل گیا "میرے بھائی! میرے دوست! میرے سالار! خدا حافظ!"

محل سے نکلتے وقت زبیر اپنے سہمے ہوئے دل کو بار بار یہ کہہ کر تسلی دے رہا تھا "نہیں! نہیں! ہم ایک بار اور ضرور ملیں گے۔"

(۳)

"صبح کے وقت محل کے دروازے پر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ محمدؒ بن قاسم دروازے سے باہر نکلا تو ہجوم نے اِدھر اُدھر سمٹ کر دروازے کے سامنے سیڑھیاں خالی کر دیں۔ فوج کے عہدیدار شہر کے معززین اور پروہت آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرنے لگے۔ بھیم سنگھ کی باری آئی تو وہ بے اختیار محمدؒ بن قاسم کے ساتھ لپٹ گیا۔ اس نے کہا "آپ نے میرا اسلامی نام تجویز نہیں کیا۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا "تم اگر پسند کرو تو میں تمھارا نام سیف الدین رکھتا ہوں!"

سیڑھیوں سے نیچے ایک سپاہی گھوڑا لیے کھڑا تھا۔ محمدؒ بن قاسم نیچے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو یزید بن ابو کبشہ نے بھاگ کر باگ تھام لی۔ محمدؒ بن قاسم کے احتجاج کے باوجود لوگ بھاگ بھاگ کر دیوانہ وار اس کے پاؤں کو ہاتھ لگا رہے تھے۔

گھوڑے پر سوار ہو کر محمدؒ بن قاسم نے چاروں طرف دیکھا۔ اُسے کوئی آنکھ آنسوؤں سے خالی نظر نہ آئی۔ سفید ریش بوڑھے یہ محسوس کر رہے تھے کہ اُن کا عزیز ترین بیٹا ان سے رُخصت ہو رہا ہے۔ بیوہ عورتیں اور یتیم بچّے یہ محسوس کر رہے تھے کہ قدرت ان کا زبردست سہارا چھین رہی ہے۔ نوجوان لڑکیاں یہ کہہ رہی تھیں کہ اُن کی عفت و عصمت کا نگہبان جا رہا ہے۔ اَرور کے در و دیوار پر حسرت برس رہی تھی۔

اپنے باپ کے اشارے پر شہر کے پروہت کی نوجوان لڑکی آگے بڑھی اور اس نے محمدؒ بن قاسم کو پھُولوں کا ہار پیش کرتے ہوئے کہا "میرے بھائی! میں ارور کی تمام کنیاؤں کی طرف سے یہ تحفہ تمھاری خدمت میں پیش کرتی ہوں۔"

محمدؒ بن قاسم نے اس کی طرف احسان مندانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پھول قبول کر لیے۔

دیبل کے بازاروں سے سلیمان بن عبدالملک کے قیدی کا گھوڑا پھولوں کے ڈھیر روندتا ہوا نکلا ——— اَرور کے باشندوں نے کسی شہنشاہ کا جلوس بھی اس قدر شاندار نہ دیکھا تھا۔ کسی عزیز کی جدائی پر اس قدر آنسو نہ بہائے تھے۔ وہ ہاتھ جنھوں نے دو سال قبل فاتح سندھ کو اپنا بدترین دشمن سمجھ کر تیروں اور نیزوں کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا تھا وہی اب پھولوں کی بارش کر رہے تھے۔

علی، خالد، ناہید اور زہرا محمدؒ بن قاسم کے ساتھ جانے والے چند سپاہیوں کے ساتھ پہلے ہی شہر سے باہر پہنچ چکے تھے۔ یہ قافلہ ساٹھ نفوس پر مشتمل تھا۔

ان میں چالیس وہ سپاہی تھے جو محمدؒ بن قاسم کو پابہ زنجیر دمشق لے جانے کے لیے یزید بن ابوکبشہ کے ساتھ آئے تھے۔ واسط کا کوتوال مالک بن یوسف صالح کی سفارش سے ان کا سالار مقرر ہو کر آیا تھا۔ مالک بن یوسف کو صالح کی یہ ہدایت تھی کہ وہ راستے میں محمدؒ بن قاسم کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرے۔ مالک خود بھی حجّاج بن یوسف کے خاندان کا پرانا دشمن تھا لیکن ارور پہنچ کر وہ یزید بن ابوکبشہ کی طرح محمدؒ بن قاسم کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے بعض ساتھی بھی ارور سے اس کی روانگی کا منظر دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ کھلے بندوں سلیمان کے غلط احکام پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ یزید نے انھیں رخصت کرتے وقت تاکید کی تھی کہ انھیں عزت کے ساتھ بصرہ لے جاؤ۔ امیرالمومنین کو میں جواب دے دوں گا۔

دوپہر کے وقت سیف الدین (بھیم سنگھ) ارور کے پروہت کے ساتھ ایک ٹیلے پر کھڑا دور راستے کی گرد میں ایک قافلے کو روپوش ہوتے دیکھ رہا تھا۔

پروہت نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا ”سندھ کا آفتاب دوپہر کے وقت غروب ہو رہا ہے۔“

غروبِ آفتاب

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد مسجد نبویؐ سے باہر نکل رہے تھے۔ اچانک ایک سوار دروازے پر آ کر رکا۔ سوار کا چہرہ گرد و غبار میں اٹا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بھوک، پیاس اور تھکاوٹ کی وجہ سے مرجھایا ہوا تھا۔ اس نے عمرؒ بن عبدالعزیز کو ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن خشک گلے سے آواز نہ نکل سکی۔ وہ گھوڑے سے اتر کر خط نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈال کر عمرؒ بن عبدالعزیز کی طرف بڑھا لیکن دو تین قدم اٹھانے کے بعد لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا اور اس کے ساتھ ہی تھکے ہوئے گھوڑے نے اپنے بوجھ سے آزاد ہوتے ہی زمین پر گرنے کے بعد ایک جھرجھری لے کر دم توڑ دیا۔ یہ سوار زبیر تھا۔ لوگ اسے اٹھا کر مسجد کے حجرے میں لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سوار نے جب ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں۔ اسوقت عمرؒ بن عبدالعزیز اسکے منہ پر پانی کے چھینٹے دے رہے تھے۔ اس نے پانی کا پیالہ چھین کر پینے کی کوشش کی لیکن عمرؒ بن عبدالعزیز نے کہا ”تھوڑی دیر صبر کرو۔ تم پہلے ہی بہت زیادہ پانی پی چکے ہو۔ اب کچھ کھا لو۔ معلوم ہوتا ہے تم نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔“

عمرؒ بن عبدالعزیز کے اشارے پر ایک شخص نے زبیر کے سامنے کھانا رکھ دیا۔ لیکن اس نے کہا۔ "نہیں! مجھے پانی کی ضرورت ہے" اور پھر چونک کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکا ہوں یہ خط لیکن ......؟" جیب خالی پا کر اس کی آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔

عمرؒ بن عبدالعزیز نے کہا۔ "تمھارا خط میں پڑھ چکا ہوں۔ تمھارے گھوڑے کے دم توڑنے اور تمھارے بے ہوش ہو جانے سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم کوئی ضروری پیغام لائے ہو۔"

زبیر نے کہا۔ "تو آپ محمدؒ بن قاسم کے لیے کچھ کریں گے؟"

"میں دمشق جا رہا ہوں ——" یہ کہتے ہوئے اُنھوں نے اپنے ایک ساتھی کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔ "میرا گھوڑا تیار ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "جی ہاں!"

زبیر نے کہا۔ "میں آپ کے ساتھ چلوں گا!"

انھوں نے جواب دیا۔ "نہیں! تم آرام کرو۔ تم گزشتہ سفر میں بہت نڈھال ہو چکے ہو!"

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرے نڈھال ہونے کی وجہ سفر کی کلفت سے زیادہ میرے دل کی بے چینی تھی۔ اب یہاں ٹھہر کر انتظار کرنے میں مجھے سفر سے زیادہ تکلیف ہو گی!"

عمرؒ بن عبدالعزیز نے کہا۔ "بہت اچھا، تم کھانا کھا لو!"

زبیر نے جلدی جلدی کھانے کے چند نوالے منہ میں رکھنے کے بعد پیٹ بھر کر پانی پیا اور اُٹھ کر بولا۔ "میں تیار ہوں۔"

عمرؒ بن عبدالعزیز نے ایک عرب کو دوسرا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا اور

زبیر سے کہا۔ "آپ تھوڑی دیر بیٹھ جائیے!"

زبیر نے کہا۔ "اگر آپ کا حکم نہ ہو تو میں کھڑا رہنے کو ترجیح دوں گا۔ بیٹھنے سے انسان پر نیند اور تھکاوٹ کا حملہ نسبتاً زیادہ شدید ہوتا ہے!"

ایک عرب نے پوچھا۔ "آپ نے راستے میں بالکل آرام نہیں کیا؟"

زبیر نے جواب دیا۔ "دن کے وقت بالکل نہیں اور رات کو بھی اس وقت جب میں بے ہوش ہو جایا کرتا تھا۔"

عمرؒ بن عبدالعزیز نے پوچھا۔ "تم نے راستے میں کتنے گھوڑے تبدیل کیے؟"

"اَرُور سے بصرہ تک ہر پانچ کوس پر سپاہیوں کی چوکیوں سے میں تازہ دم گھوڑا تبدیل کرتا رہا لیکن بصرہ سے آگے وقت بچانے کے لیے میں نے سیدھا راستہ اختیار کرنا مناسب خیال کیا اور صحرائے عرب عبور کرتے ہوئے مجھے بعض اوقات ایک ہی گھوڑے پر کئی منزلیں طے کرنا پڑیں۔ اس سے پہلے میری سواری میں چار گھوڑے دم توڑ چکے ہیں!"

عمرؒ بن عبدالعزیز نے کہا۔ "لوگ محمدؒ بن قاسم کی فتوحات کی داستانیں تعجب سے سنا کرتے تھے لیکن جس سپہ سالار کے پاس تمھارے جیسے سپاہی ہوں، اس کے لیے کوئی قلعہ ناقابلِ تسخیر نہیں ہو سکتا!"

خادم نے آ کر اِطّلاع دی کہ گھوڑے تیار ہیں۔ زبیر اور عمرؒ بن عبدالعزیز حجرے سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

(۲)

سلیمان کو سندھ سے محمدؒ بن قاسم کے روانہ ہونے کی اطلاع مل چکی تھی اُسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اَرُور کی طرح مکران اور ایران کے ہر شہر کے باشندے

راستے میں اس کا پرتپاک خیر مقدم کر رہے تھے اور یزید نے بغاوت کے خوف سے اسے بیڑیاں پہنانے کی جرأت نہیں کی۔ ان خبروں نے اس کی آتشِ انتقام پر تیل کا کام کیا۔ اس نے تمام تیر دیکھے اور ان میں سے جو سب سے زیادہ تیز اور جگر دوز تھا، اسے محمدؒ بن قاسم کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے اختیارات دے کر بصرہ روانہ کر دیا۔ یہ صالح تھا۔ غازی محمدؒ بن قاسم کا بدترین دشمن!

بصرہ کے لوگ جس بے چینی اور بے قراری سے محمدؒ بن قاسم کا انتظار کر رہے تھے۔ اس سے صالح نے یہ اندازہ لگایا کہ بصرہ میں محمدؒ بن قاسم کے ساتھ بدسلوکی کی گئی تو لوگ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ وہ محمدؒ بن قاسم کو پابہ زنجیر بصرہ سے واسط لے جانا چاہتا تھا لیکن بصرہ کے عوام کا جوش و خروش دیکھ کر اُسے اپنا ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔

ایک شام محمدؒ بن قاسم کا قافلہ بصرہ سے تیس میل کے فاصلے پر ایک بستی کے قریب پہنچا۔ بستی کے لوگوں کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سندھ کا فاتح اور سلیمان کا قیدی ایک رات یہاں قیام کرے گا۔ بستی کے مرد، عورتیں اور بچے فوج کی چوکی کے سامنے کھڑے تھے۔ عورتیں محمدؒ بن قاسم کے علاوہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بیقرار تھیں، جس کی آواز نے سندھ کی تاریخ بدل ڈالی تھی۔ محمدؒ بن قاسم کو دیکھتے ہی کئی نوجوان بھاگ کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ کئی ہاتھ بیک وقت اس کے گھوڑے کی باگ تھامنے کے لیے بڑھے۔ عورتوں نے چوکی سے کچھ فاصلے پر ہی محمل بردار اونٹ ٹھہرا لیا۔ زہرا اور ناہید کو ایک مکان میں لے گئیں۔

چوکی کے محافظ سپاہیوں نے مالک بن یوسف کو بتایا کہ صالح راستے کی ہر بستی میں محمدؒ بن قاسم کی آؤ بھگت کی خبریں سن کر سخت مضطرب ہے اور اسے یہ خطرہ ہے کہ بصرہ کے لوگ شاید زیادہ جوش و خروش کے اُس کا خیر مقدم

کریں گے۔ اسے اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ وہاں ناہید کی آواز اس کے حق میں بہت مضر ثابت ہو گی۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا ہے کہ محمدؒ بن قاسم کو سیدھا واسط پہنچایا جائے۔ وہ ان لڑکیوں کو بھی بصرہ پہنچنے سے روکنا چاہتا ہے۔ شاید وہ صبح تک خود یہاں پہنچ جائے۔"

چوکی کے سالار نے مالک کو صالح کا وہ خط دکھایا جس میں یہ ہدایت تھی کہ محمدؒ بن قاسم کو اس کی آمد تک روکا جائے۔

گزشتہ سفر میں محمدؒ بن قاسم کو قریب سے دیکھنے کے بعد مالک بن یوسف کو اس کے ساتھ غایت درجہ کی عقیدت ہو چکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بصرہ کے لوگوں کا جوش و خروش سلیمان کو محمدؒ بن قاسم کے متعلق اپنا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دے گا۔ واسط ولید کی موت کے بعد پھر ایک بار خارجی عناصر کا مرکز بن چکا تھا، اسے امید نہ تھی کہ وہاں سے محمدؒ بن قاسم کے حق میں کوئی آواز اُٹھے گی۔

وہ عشا کی نماز کے بعد کچھ دیر اپنے خیمے سے باہر پریشانی کی حالت میں ٹہلتا رہا۔ بالآخر وہ ایک مضبوط ارادہ لے کر محمدؒ بن قاسم کے خیمے میں داخل ہوا۔ محمدؒ بن قاسم شمع کی روشنی میں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔

مالک نے کہا۔ "آپ کسی کے نام کوئی خط بھیجنا چاہتے ہیں تو میں انتظام کر دوں؟"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "نہیں یہ خط نہیں۔ میں ایک نئی قسم کی منجنیق کا نقشہ تیار کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں اس سے پتھر زیادہ دور اور زیادہ صحیح نشانے پر پھینکا جا سکے گا۔"

مالک نے جواب دیا۔ "اس وقت آپ کو کچھ اپنے متعلق سوچنا چاہیے۔"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "میں ایک فرد ہوں اور منجنیق ایک قوم کی

صرورت ہے۔ اگر مجھے قید کر لیا گیا تو آپ خود یہ نقشہ امیرالمومنین کے پاس پہنچا دیں!"

مالک نے جواب دیا۔ "آپ کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ آپ بصرہ کے بجائے سیدھے واسط جا رہے ہیں!"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "مجھے پہلے ہی یہ خیال تھا کہ وہ مجھے بصرہ لے جانے کی غلطی نہیں کریں گے۔"

مالک نے کہا۔ "اب آپ اپنے متعلق فیصلہ کر سکتے ہیں۔ واسط کے بہت کم لوگ آپ کے حق میں آواز اٹھائیں گے لیکن آپ کے بصرہ پہنچ جانے پر ہزاروں مجاہد آپ پر جان دینے کے لیے تیار ہوں گے۔ صالح آج رات یا صبح کسی وقت یہاں پہنچ جائیگا۔ اس کے بعد ہماری تدبیر بے سود ہو گی۔ اس وقت ایک ہی صورت ہے کہ آپ فوراً ان لڑکیوں کو لے کر روانہ ہو جائیں۔ وہاں آپ ہر گھر کو اپنے لیے ایک قلعہ پائیں گے۔ اب اُٹھیے، یہ وقت بہت نازک ہے!"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "میری جان بچانے کے لیے آپ کتنے مسلمانوں کی جانیں قربان کرنا جائز سمجھتے ہیں؟ کیا اس سے پہلے بصرہ کے لوگوں کی بغاوتوں نے عالم اسلام کو کافی نقصان نہیں پہنچایا؟ کیا میری تنہا جان اس قدر قیمتی ہے کہ اس کے لیے لاکھوں مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرا جائیں۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں؟ اگر میں عالم اسلام کو اس تباہی سے بچانے کے لیے قربان بھی ہو جاؤں تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میری قربانی رائیگاں جائے گی۔ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ خلافت اب ملوکیت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ تاہم مسلمانوں کا سوادِ اعظم اُسے خلیفہ تسلیم کرنے کی غلطی کر چکا ہے اور اس وقت میری بغاوت فقط خلیفہ سلیمان کے خلاف نہ ہو گی بلکہ قوم کے سوادِ اعظم کے خلاف ہو گی لیکن ممکن ہے کہ میری قربانی کے بعد لوگ اپنی اس

کمزوری کو محسوس کریں اور ان میں ایک ایسا اجتماعی ضمیر پیدا ہو جائے جو سلیمان کو راہِ راست پر لے آئے یا کم از کم سلیمان کے بعد وہ انتخاب کے معاملہ اس قدر سخت ہو جائیں کہ سلیمان جیسوں کیلیے آگے بڑھنے کا موقع نہ ہو۔ اگر میرے انجام سے متاثر ہو کر عوام نے یہ محسوس کیا کہ وہ امارت کو کسی کی خاندانی میراث تسلیم کرنے میں غلطی پر تھے اور انھوں نے سلیمان کے بعد اس کے کسی خاندانی وارث کی بجائے کسی صالح مسلمان کو خلیفہ منتخب کیا، تو یہ ایک ایسا مقصد ہے جس کے لیے قربان ہونا میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہوں!"

مالک بن یوسف نے لاجواب ہو کر کہا۔ "آپ کا فیصلہ اٹل ہے۔ میں ہار مانتا ہوں لیکن ان لڑکیوں کے متعلق آپ نے کیا سوچا؟ مجھے چوکی کے سپاہیوں سے معلوم ہوا کہ صالح بصرہ کے لوگوں کے اشتعال کے خوف سے انھیں بھی واسط لے جانا چاہتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ان کے بصرہ نہ پہنچنے سے لوگ زیادہ مشتعل ہوں گے۔ بصرہ کے ہر گھر میں ناہید کا انتظار ہو رہا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ صالح کے یہاں پہنچنے سے پہلے انھیں بصرہ روانہ کر دیا جائے۔"

محمدؒ بن قاسم نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "مجھے صرف اس بات کا خیال ہے کہ ناہید، زبیر کی بیوی ہے اور صالح میری طرح زبیر کو بھی اپنا بدترین دشمن خیال کرتا ہے۔ تاہم مجھے یہ اُمید نہیں کہ وہ ناہید کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرأت کرے گا!"

مالک نے جواب دیا۔ "میں کئی برس صالح کے ساتھ گزار چکا ہوں، وہ انسان نہیں بلکہ سانپ ہے۔ اگر ان لڑکیوں کے متعلق اس کے منہ سے گستاخی کا ایک لفظ بھی نکل گیا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے تمام ساتھی کٹ مرنے کے لیے تیار ہوں گے۔ اس لیے میرا مشورہ قبول کیجئے اور ان لڑکیوں کو خالد کے ساتھ

بصرہ بھیج دیجیے، میں چند سپاہی بھی ساتھ کیے دیتا ہوں اور اگر آپ کو اسلام کا مستقبل بہت زیادہ عزیز ہے تو آپ انھیں ہدایت کر سکتے ہیں کہ وہ بصرہ میں کسی بغاوت کی حوصلہ افزائی نہ کریں۔"

محمدؒ بن قاسم کو اچانک ایک خیال آیا اور اس کے دل میں بعض دبے ہوئے احساسات جاگ اُٹھے، وہ اٹھا اور بیقراری کی حالت میں خیمے کے اندر ٹہلنے لگا۔ مالک اس کی حرکات کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ محمدؒ بن قاسم بار بار مُٹھیاں بھینچ کر کسی زبردست ارادے کے خلاف جنگ کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ کمرے میں چند چکر لگانے کے بعد وہ مالک سے کوئی بات کیے بغیر باہر نکل آیا اور ساتھ والے خیمے میں خالد کو آواز دی۔ خالد بھاگتا ہوا باہر نکلا۔ تو اس نے کہا۔ "خالد! ناہید اور زہرا کو بستی سے بلا لو۔ جلدی کرو۔"

خالد اسی رفتار سے بھاگتا ہوا بستی کی طرف چلا گیا اور محمدؒ بن قاسم مالک کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ فوراً چار گھوڑے تیار کروائیں۔ نہیں پانچ، علی بھی ہمارے ساتھ جائے گا!"

مالک نے پر اُمید ہو کر پوچھا۔ "تو آپ جا رہے ہیں؟"

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ "اگر تمھاری اجازت ہو تو میں انھیں بصرہ چھوڑ آؤں۔ میں انشاء اللہ صبح تک واپس آجاؤں گا!"

مالک نے جواب دیا۔ "آپ واپس آنے کا نام نہ لیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ کا رُخ کریں۔ میں چند دنوں میں آپ کی بیوی کو وہاں پہنچا دینے کا انتظام کر دوں گا۔"

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "میرے دوست! میرے متعلق بار بار غلط اندازہ نہ لگاؤ۔ میری شخصیت ایسی نہیں جو کہیں چھپ سکے۔ میں فقط چند لمحات کے

لیے گھر جانا چاہتا ہوں اور وہ بھی اس صورت میں کہ تم میرے وعدے کا اعتبار کرو۔ اگر صالح آج رات بصرہ سے روانہ نہیں ہو گیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے واپس آجاؤں گا۔"

"صالح جیسے آدمی ایسے حالات میں رات کے وقت سفر نہیں کیا کرتے۔ وہ دن کے وقت عراق کی زمین پر پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے۔ میں گھوڑے تیار کرتا ہوں۔ اگر آپ بصرہ پہنچ کر واپس آنے کا ارادہ تبدیل کر لیں تو میری فکر نہ کریں، میں آپ کے ساتھ ایک سپاہی بھیج دیتا ہوں۔ آپ اس کے ہاتھ پیغام بھیج دیں۔ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سندھ چلا جاؤں گا!"

محمدؒ بن قاسم نے ذرا تلخ ہو کر کہا۔ "مالک! تم مجھے بار بار نادم نہ کرو۔ اگر تمھیں مجھ پر اعتبار نہیں تو میں نہیں جاتا!"

مالک نے کھسیانا ہو کر کہا۔ "نہیں نہیں! میں گھوڑوں کا انتظام کرتا ہوں۔ آپ تیار ہو جائیں۔"

تھوڑی دیر بعد محمدؒ بن قاسم، خالد، ناہید، زہرا اور علی صبا رفتار گھوڑوں پر بصرہ کا رُخ کر رہے تھے۔ محمدؒ بن قاسم نے راستے میں صالح سے ٹکر کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے بصرہ کی عام شاہراہ سے کترا کر ایک دوسرا اور نسبتاً لمبا راستہ اختیار کیا۔

(۳)

آدھی رات کے قریب خادمہ بھاگتی ہوئی زبیدہ کے کمرے میں داخل ہوئی اور اسے جھنجھوڑ کر جگاتے ہوئے کہنے لگی۔ "زبیدہ! زبیدہ!! وہ آگئے وہ آگئے!"

زبیدہ پر ایک سکتے کا عالم طاری تھا۔ خادمہ نے ذرا بلند آواز میں کہا۔

"زبیدہ! محمدؒ آ گیا!"

زبیدہ کی حالت اس بھٹکے ہوئے مسافر کی سی تھی، جسے کسی نے بے ہوشی کی حالت میں تپتے ہوئے صحرا سے اُٹھا کر نخلستان میں پہنچا دیا ہو جو ایک گھونٹ پانی کو ترسنے کے بعد دریا میں غوطے لگا رہا ہو۔ جذبات کی شدت سے زبیدہ ایک ثانیہ کے لیے بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ خادمہ نے مشعل جلا کر رکھ دی اور کہا۔

"زبیدہ! اٹھو! ان کے ساتھ چند مہمان ہیں۔"

اتنی دیر میں زبیدہ اپنے حواس پر قابو پا چکی تھی۔ "وہ کہاں ہیں؟" اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

"وہ اصطبل میں گھوڑے باندھ رہے ہیں۔ دو لڑکیاں صحن میں کھڑی ہیں۔"

زبیدہ نے باہر نکل کر چاند کی روشنی میں زہرا اور ناہید کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ اندر آئیے۔ میں ابھی خواب دیکھ رہی تھی، آپ ناہید اور زہرا ہیں نا؟"

ناہید جواب دیے بغیر آگے بڑھ کر زبیدہ سے لپٹ گئی اور زہرا کی آنکھوں میں ضبط کی کوشش کے باوجود آنسو اُمڈ آئے۔ ناہید سے علیحدہ ہو کر زبیدہ، زہرا کی طرف متوجہ ہوئی اور اس سے آنسوؤں کی وجہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن اتنی دیر میں محمدؒ بن قاسم، خالد اور علی قریب آتے دکھائی دیے۔

محمدؒ بن قاسم کے ساتھ دو اجنبی دیکھ کر زبیدہ نے ناہید اور زہرا کو اندر لے جانا چاہا لیکن ناہید نے کہا۔ "ہمیں دوسرے کمرے میں آرام کرنے دیجیے ہم بہت تھکی ہوئی ہیں۔"

زبیدہ نے کہا۔ "بہت اچھا! آپ آرام کریں۔"

خادمہ زبیدہ کے اشارے پر زہرا اور ناہید کو دوسرے کمرے میں لے گئی اور محمدؒ بن قاسم، خالد اور علی کو اس کمرے میں پہنچانے کے بعد زبیدہ کے کمرے میں داخل ہوا:

(۴)

رات کے پچھلے پہر محمدؒ بن قاسم اپنے کمرے میں بیٹھا زبیدہ سے باتیں کر رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ زبیدہ کبھی کبھی اپنے شوہر کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر باہر جھانکتی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر رہ جاتی۔ سپیدۂ صبح اُسے شامِ جُدائی کا پیغام دے رہا تھا۔ مرغِ سحر کی اذان سے کچھ دیر پہلے ہی محمدؒ بن قاسم سفر کے لیے تیار ہو گیا۔

"زبیدہ کی والدہ محمدؒ بن قاسم کے متعلق سلیمان کے ارادوں سے واقف ہوتے ہی زبیدہ کے ماموں اور بصرہ کے چند با اثر مسلمانوں کے وفد کے ساتھ دمشق روانہ ہو چکی تھی۔ محمدؒ بن قاسم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "افسوس میں ان سے مل نہ سکا۔ زبیدہ! مجھے امید ہے کہ ناہید اور زہرا تمھیں اُداس نہ ہونے دیں گی۔ ابھی چند دن یہی کوشش کرنا کہ ان کی آمد کا کسی کو پتہ نہ چلے۔"

زبیدہ ہونٹ بھینچ بھینچ کر ہچکیوں کو ضبط کر رہی تھی لیکن اس کی نگاہیں کہہ رہی تھیں۔ "آپ سچ مچ جا رہے ہیں؟"

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ "زبیدہ! خدا حافظ!"

زبیدہ نے ملتجی ہو کر کہا۔ "اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کو اصطبل تک چھوڑ آؤں؟"

اس نے جواب دیا۔ "نہیں تم یہیں ٹھہرو ـــــ اور میری طرف اس طرح نہ دیکھو!"

زبیدہ کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ ”جائیے!“

محمدؒ بن قاسم ایک لحظہ کے لیے پانی کے ان دو قطروں کی طرف دیکھتا رہا جن میں محبّت اور اطاعت کے ہزاروں دریا بند تھے۔ اس نے رومال نکال کر زبیدہ کے آنسوؤں کو پونچھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے پھر کہا۔ ”جائیے!“

محمدؒ بن قاسم نے دو قدم آگے کی طرف اٹھائے اور ایک بار مڑ کر دیکھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

اصطبل کے سامنے اُسے خالد اور علی دکھائی دیے اور اس نے پوچھا۔

”خالد! تم ابھی تک سوئے نہیں؟“

اس نے جواب دیا۔ ”ہم میں سے کوئی بھی نہیں سویا۔“

محمدؒ بن قاسم نے کہا۔ ”جاؤ آرام کرو!“

”لیکن میں آپ کے ساتھ چلنا چاہتا ہوں!“

محمدؒ بن قاسم نے خالد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں تمھارے جذبات سے واقف ہوں لیکن مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ تم یہیں ٹھہرو یہ میری زندگی کا ایسا جہاد ہے جس میں مجھے ساتھیوں کی ضرورت نہیں!“

”میں اپنے سالار کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں کر سکتا لیکن میرے لیے یہاں ٹھہر کر آپ کے انتظار کی ہر گھڑی قیامت ہو گی!“

محمدؒ بن قاسم نے جواب دیا۔ ”یہ تمھارے سالار کا حکم نہیں۔ تمھارے دوست کی خواہش ہے۔ ان حالات میں تمھارے لیے میرا ساتھ دینا ٹھیک نہیں تم بعد میں آ سکتے ہو۔“

خالد نے مایوس ہو کر علی کی طرف دیکھا اور وہ اصطبل سے گھوڑا نکال لایا۔

محمدؒ بن قاسم نے گھوڑے پر سوار ہو کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ خالد نے جذبات سے مغلوب ہو کر اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ ”میرے دوست! میرے بھائی! میرے آقا خدا حافظ!“

خالد کے آنسو محمدؒ بن قاسم کے ہاتھ پر گر پڑے۔ وہ ہاتھ چھڑا کر علی کی طرف متوجہ ہوا۔ علی اس کا ہاتھ مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کانپتی ہوئی آواز میں خدا حافظ کہہ کر سسکیاں لینے لگا۔

دروازے سے باہر نکلتے ہوئے محمدؒ بن قاسم نے پیچھے مڑ کر دیکھا صحن میں چند قدم کے فاصلے پر تین عورتیں کھڑی تھیں۔

جس وقت بصرہ کی مساجد میں اذانیں گونج رہی تھیں۔ محمدؒ بن قاسم اس بازار میں سے گزر رہا تھا۔ جس میں کچھ عرصہ قبل بصرہ کے لوگوں نے سندھ پر حملہ کرنے والی افواج کے سترہ سالہ سپہ سالار کا شاندار جلوس دیکھا تھا۔

شہر سے کچھ دور جا کر اُس نے ایک ندی کے کنارے صبح کی نماز ادا کی اور گھوڑے پر سوار ہو کر اُسے سرپٹ چھوڑ دیا ؛

(۵)

خلیفہ سلیمان مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد قصرِ خلافت میں داخل ہو رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آواز دی۔ ”سلیمان!“

اس آواز میں غصّہ بھی تھا اور جلال بھی۔ سلیمان نے چونک کر پیچھے دیکھا اور کہا۔ ”کون!“ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اس سوال کا جواب دینے کی بجائے سلیمان کا بازو پکڑ لیا اور کہا۔ ”سلیمان! خدا کو کیا جواب دو گے؟“

سلیمان انتہا درجے کا خود پسند تھا لیکن عمرؒ بن عبدالعزیز کی شخصیت کے سامنے وہ مرعوب سا ہو کر رہ گیا۔ زبیر چند قدم کے فاصلے پر تھا لیکن شام کے دھندلکے میں وہ اسے فوراً پہچان نہ سکا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے آپ کی گفت گو کا موضوع نازک معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس کے لیے تخلیہ بہتر نہ ہوگا؟ آئیے! اندر چلیں۔“

عمرؒ بن عبدالعزیز نے کہا۔ ”میں تو مسجد میں لوگوں کے سامنے تمھارا دامن پکڑنے کے لیے آیا تھا لیکن اب چلو جلدی کرو۔ آؤ زبیر تم بھی!“

چند قدم چلنے کے بعد تینوں محل کے ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے۔

سلیمان نے مشعل کی روشنی میں زبیر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”میں نے تمھیں کہیں پہلے بھی دیکھا ہے۔“

عمرؒ بن عبدالعزیز نے کہا۔ ”اب باتوں کا وقت نہیں۔ میں محمدؒ بن قاسم کے متعلق کچھ کہنے کے لیے آیا ہوں۔“

محمدؒ بن قاسم کا نام سُن کر سلیمان نے غصّے اور اضطراب کی حالت میں عمر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”تو اس کی سازش مدینے تک بھی پہنچ چکی ہے اور یہ ——— اس کا دوست ہے ———؟“

زبیر نے کہا۔ ”میں اس کی دوستی سے انکار نہیں کرتا لیکن یہ غلط ہے کہ محمدؒ بن قاسم آپ کے خلاف کوئی سازش کر رہا ہے۔ میں یزید بن ابو کبشہ کا ایلچی بن کر مدینے پہنچا تھا۔“

سلیمان کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن عمرؒ بن عبدالعزیز نے یزید بن ابو کبشہ کا خط اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ”پہلے یہ پڑھ لو۔ یزید تمھارے خاص احباب میں سے ہے۔ اگر اسے محمدؒ بن قاسم کی معصومیت ایسا خط لکھنے پر آمادہ کر سکتی

ہے تو مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا کہ میں تمھیں مسلمانوں کی گردن پر چھُری رکھتے دیکھ کر خاموش رہوں گا۔ تم شاید اس بات پر خوش ہو گے کہ قدرت نے آج تمھیں انتقام کا موقع دیا ہے لیکن تم اس نوجوان کی عظمت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ جس کے جاں نثار تمھارے جاں نثاروں سے کہیں زیادہ ہیں۔ جس کی تلوار تمھاری تلوار سے زیادہ تیز اور جس کے تیر تمھارے تیروں سے زیادہ جگر دوز ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایک عاقبت نااندیش امیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کر رہا ہے۔ تم نے پچاس آدمیوں کو اُسے قید کر کے لانے کا حکم دے کر سندھ بھیجا تھا لیکن تم ہی بتاؤ اگر تم خود اس کی جگہ ہوتے اور تمھارے پاس ایک لاکھ سے زیادہ جاں نثاروں کی فوج ہوتی اور یزید تمھیں جا کر خلیفہ کا یہ حکم سناتا کہ میں تمھیں زنجیریں پہنا کر لے جانا چاہتا ہوں۔ تو تم ان پچاس آدمیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ تمھارا اپنا بھائی تمھارا امیر تھا لیکن تم تمام عمر اس کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہے لیکن محمدؒ بن قاسم تمھیں اچھّی طرح جانتا تھا۔ اُسے تم سے کسی بھلائی کی امید نہ تھی۔ وہ اگر چاہتا تو سندھ کے ہر گھر کو اپنے لیے قلعہ بنا سکتا تھا۔ وہ اگر تمھارے ایلچی کو قتل بھی کر دیتا تو بھی شاید تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکتے لیکن اس کے باوجود وہ تمھاری اطاعت سے منحرف نہیں ہوا۔ تم اپنے انتقام سے زیادہ نہیں سوچ سکے۔ اس کے سامنے عالمِ اسلام کا مستقبل ہے۔ کیا تم اُس سے اس بات کا انتقام لینا چاہتے ہو کہ وہ حجّاج بن یوسف کا داماد ہے؟ اور فنونِ حرب کی نمائش میں اس نے تمھیں نیچا دکھایا تھا؟ کاش! جس طرح وہ ایک سپاہی کے فرائض سمجھتا ہے۔ اسی طرح تم بھی ایک امیر کے فرائض سمجھو۔ اس کی افواج ہندوستان کے آخری کونے تک اسلام کا پرچم لہرانے کا تہیہ کر چکی تھیں اگر اسے واپس نہ بلایا جاتا تو شاید وہ اس وقت تک راجپوتانہ فتح کر چکا

ہوتا۔ آج مجھے دمشق پہنچتے ہی پتہ چلا ہے کہ تم نے اسے صالح کی نگرانی میں واسط بھیج دیا ہے اور تم اس کے لیے کوئی بدترین سزا تجویز کر چکے ہو لیکن یاد رکھو تم اس کی عظمت اس سے نہیں چھین سکتے۔ لوگ جلّاد کی تلوار بھول سکتے ہیں لیکن شہیدوں کا خون نہیں بھول سکتے۔ سلیمان! میں تمھیں بہت کچھ سمجھاتا لیکن اب باتوں کا وقت نہیں اگر فاتح سندھ کے سینے میں پیوست ہونے والا تیر ابھی تک تمھارے ہاتھ میں ہے تو اُسے روک لو۔ ورنہ یاد رکھو، آنے والے مؤرّخ جہاں محمدؒ بن قاسم کو اس زمانے کا سب سے بڑا مجاہد کہیں گے۔ وہاں وہ تمھیں اسلام کے سب سے بڑے دشمن کے نام سے یاد کریں گے۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو شاید کل تک میں دمشق کے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دوں، کہ مسلمانوں کی جماعت میں تمھارے جیسے امیر کے لیے کوئی جگہ نہیں ——!"

سلیمان کا غصّہ ندامت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ اضطراب کی حالت میں مٹھیاں بھینچ کر کمرے میں ٹہلنے کے بعد مشعل کے سامنے رُکا۔ پھر اس نے عمرؒ بن عبدالعزیزؒ اور زبیر کی طرف دیکھا اور گھبرائی ہوئی آواز میں کہا" کاش! آپ دو دن پہلے آجاتے، میرا تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا!"

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا" تو تم اس کے قتل کا حکم بھیج چکے ہو —؟"

سلیمان نے اثبات میں سر ہلایا۔

زبیر نے کہا" اگر آپ دوسرا حکم لکھ دیں تو میں شاید وقت پر پہنچ سکوں۔"

سلیمان نے تالی بجائی۔ ایک غلام تعمیل کے لیے آموجود ہوا۔

سلیمان نے کہا" میرے اصطبل کا بہترین گھوڑا تیار کر دو۔"

غلام چلا گیا اور سلیمان خط لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

خط ختم کرنے کے بعد سلیمان نے عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کو دیتے ہوئے کہا۔

"آپ پڑھ لیجیے۔"

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے خط پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد یہ خط زبیر کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا۔

"اب خدا کرے، یہ وقت پر پہنچ جائے۔ تم بہت تھکے ہوئے ہو۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ کسی اور کو بھیج دیا جائے؟"

زبیر نے جواب دیا" یہ خط حاصل کرنے کے بعد میری تھکاوٹ دور ہو چکی ہے۔ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ راستے میں آرام کیے بغیر واسط پہنچ سکتا ہوں۔ اگر مجھے راستے کی چوکیوں سے تازہ دم گھوڑے ملتے جائیں تو میرا ارادہ ہے کہ میں طویل راستہ اختیار کرنے کی بجائے سیدھا صحرا عبور کر لوں۔"

سلیمان نے ایک اور حکم نامہ راستے کی فوجی چوکیوں کے نام لکھ کر زبیر کے حوالے کیا۔ غلام نے آکر اطلاع دی کہ گھوڑا تیار ہے۔ زبیر نے سلیمان کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ میرے لیے دُعا کریں!"

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے خدا حافظ کہتے ہوئے زبیر کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر جو چند لمحے پہلے ایک طویل سفر کی کلفتوں سے مرجھایا ہوا تھا، امید کی روشنی جھلک رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد زبیر ایک تیز رفتار گھوڑے پر واسط کا رُخ کر رہا تھا۔

(۶)

صحرا عبور کرنے کے بعد زبیر ایک رات تیسرے پہر کے قریب ایک سرسبز و شاداب علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ مسلسل بے آرامی سے اس کے اعضأ

شل ہو چکے تھے، سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ گھوڑے کی تیز رفتاری کے باوجود پچھلے پہر کی ہوا کے خوش گوار جھونکے اسے ہتھے پر سر ٹیک کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جانے پر مجبور کر رہے تھے۔ ایک ناقابلِ تسخیر عزم کے باوجود کبھی کبھی اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو جاتیں، لگام پر ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی اور گھوڑے کی رفتار تھوڑی دیر کیلیے سُست ہو جاتی لیکن ایک خیال اچانک کسی تیز نشتر کی طرح اس کے دل میں اتر جاتا۔ وہ چونک کر ستاروں کی طرف دیکھتا اور گھوڑے کی رفتار تیز کر دیتا۔

اس کی منزل قریب آچکی تھی۔ وہ تصوّر میں سلیمان کا خط صالح کے ہاتھ میں دے رہا تھا ——— قید خانے کے دروازے پر محمدؒ بن قاسم سے بغل گیر ہو رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”محمدؒ! میں اب سو جانا چاہتا ہوں۔ کسی ندی کے کنارے کسی درخت کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں میں ——— اور دیکھو، جب تک میں خود تازہ دم ہو کر نہ اُٹھوں، مجھے جگانا مت ——— نیند کتنی عجیب چیز ہے۔ ہر دُکھ کا مداوا ——— ہر درد کا علاج ——— میں کم از کم ایک دفعہ جی بھر کر سونا چاہتا ہوں ——— لیکن نہیں ——— میرے دوست! تمھیں سلامت دیکھ کر میری نیند اور تھکاوٹ دور ہو جائے گی!“

اُفقِ مشرق پر صبح کا ستارا نمودار ہو رہا تھا۔ زبیر کا تصوّر اسے کہیں دور لے جا رہا تھا۔ وہ پھر ایک بار دیبل کے راستے میں ایک ٹیلے پر کھڑا تھا اور کمسن اور نوجوان سپہ سالار کے یہ الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے:۔

”زبیر! مجھے اس ستارے کی زندگی پر رشک آتا ہے۔ اس کی زندگی جس قدر مختصر ہے۔ اسی قدر اس کا مقصد بلند ہے۔ دیکھو! یہ دنیا کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ میری عارضی زندگی پر تاسف

نہ کرو۔ قدرت نے مجھے سورج کا ایلچی بنا کر بھیجا تھا اور میں اپنا فرض پورا کر کے جا رہا ہوں۔ کاش! میں بھی اس ملک میں آفتاب اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے صبح کے ستارے کا فرض ادا کر سکوں۔“

زبیر کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور اس نے پھر ایک بار تھکے ہوئے گھوڑے کو پوری رفتار سے چھوڑ دیا۔ اُفقِ مشرق سے شب کی ردائے سیاہ سمٹ رہی تھی۔ صبح کا ستارہ نور کے آنچل میں چھُپ گیا اور آفتاب خونی قبا پہن کر نمودار ہوا۔

زبیر نے آخری چوکی سے اپنا گھوڑا تبدیل کیا۔ دو کوس اور چلنے کے بعد زبیر کو حدِّ نظر پر واسط کی مساجد کے مینار نظر آ رہے تھے۔ وہ ہر قدم پر بیم و رجا کے اُٹھتے ہوُئے طوفانوں میں اُمید کی مشعل جلا رہا تھا۔

شہر کے مغربی دروازے پر آدمیوں کا ہجُوم دیکھ کر زبیر نے گھوڑے کی باگ کھینچی اور چند نوجوانوں کے کندھوں پر کسی کا جنازہ دیکھ کر اتر پڑا، ٹانگوں میں اس کا بوجھ سہارنے کی طاقت نہ تھی۔ پھر بھی اس نے ہمت کر کے ایک عرب سے پوچھا۔ ”صالح کہاں رہتا ہے؟“

عرب نے اس کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ”تم کون ہو؟ اس سفاک سے تمھارا کیا کام ہے؟“

زبیر نے چند نوجوانوں کی پُرنم آنکھیں دیکھیں۔ پھر عرب کی طرف دیکھا اور دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”میں دمشق سے خلیفہ کا ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔“

عرب نے سوال کیا۔ ”خلیفہ نے اب کس کے قتل کا حکم بھیجا ہے؟“

زبیر نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے عرب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ جنازہ کس کا ہے؟"

عرب نے جواب میں کہا۔ "تم نے فاتح سندھ کا نام سُنا ہے؟"

زبیر کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ چھوٹ گئی اور لڑکھڑا کر زمین پہ گر پڑا۔ بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک نوجوان "زبیر! زبیر!!" کہتا ہوا آگے بڑھا اور اس کے قریب بیٹھ کر اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ درد بھری آواز میں کہہ رہا تھا۔

"زبیر! اٹھو۔ جلدی کرو۔ عماد الدین محمدؒ بن قاسم کا جنازہ جا رہا ہے۔"

زبیر بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔ "محمدؒ! میں اب سو جانا چاہتا ہوں ـــــ کسی ندی کے کنارے ـــــ کسی درخت کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں ـــــ اور جب تک میں خود نہ اٹھوں، مجھے جگانا مت۔"

نوجوان نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "زبیر! میں خالد ہوں، میری طرف دیکھو۔ محمدؒ چل بسا۔ سندھ کا آفتاب واسط کی خاک میں روپوش ہو رہا ہے اُٹھو! لوگ تمہارے دوست کا جنازہ لے جا رہے ہیں!"

زبیر نے آنکھیں کھولیں اور پریشان سا ہو کر بولا ـــــ "خالد تم؟ میں کہاں ہوں؟ ـــــ اُف میں شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔ وہ جنازہ؟ مجھ سے شاید کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ ـــــ نہیں نہیں! ـــــ وہ محمدؒ بن قاسم نہیں ہو سکتا ـــــ دیکھو میں اس کی رہائی کا حکم لایا ہوں۔"

زبیر نے خط نکال کر خالد کو دے دیا اور کہا۔ "خالد! اسے جلدی سے صالح کے پاس پہنچا دو!"

خالد نے بے توجہی سے کاغذ کے پُرزے کی طرف دیکھا اور اُسے زمین پہ پھینک دیا۔ زبیر مبہوت سا ہو کر خالد کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ایک معمر عرب نے جھک کر خُط اٹھا لیا اور اسے کھول کر پڑھتے ہی چلّا اٹھا:

"امیر المومنین کا حُکم تھا کہ اسے عزّت کے ساتھ دمشق پہنچایا جائے۔ صالح نے اسے اپنے ارادے سے قتل کیا ہے۔ امیر المومنین ایسا حکم نہیں دے سکتے تھے۔ واسط کے مسلمانو! محمدؒ بن قاسم کی رُوح انتقام کے لیے پکار رہی ہے۔ تم کیا دیکھتے ہو؟ ـــــ آؤ میرے ساتھ آؤ!"

ہجوم کے کھسک جانے کے بعد خالد نے زبیر کو اٹھانے کے لیے سہارا دینے کی کوشش کی لیکن اس نے کہا۔ "میں اب ٹھیک ہوں۔ چلو!"

دونوں اٹھ کر قبرستان کی طرف چلے۔

جس وقت لوگ محمدؒ بن قاسم کی لحد پر مٹی ڈال رہے تھے، کوئی پچاس نوجوان صالح کے مکان کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے اور تلواریں سونت کر اس پر ٹوٹ پڑے۔

Get more e-books from www.ketabton.com